1984

فروری - مارچ 1984ء

1938 -

اویسیہ لائبریری

الرشد

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جاکر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255

جلد: ۵ شمارہ: جمادی ۱۴۰۴ھ بمطابق فروری، مارچ ۱۹۸۴ء

دینی، اصلاحی، علم تصوف و سلوک کا واحد مجلہ

ماہنامہ المرشد

چکوال۔ ضلع جہلم
پاکستان

بجوائے رابطہ
دار العرفان
منارہ
ضلع جہلم

اس شمارے میں

انتقال پُر ملال صفحہ نمبر ۲۵

ادارایہ	مدیر
باتیں ان کی خوشبو خوشبو	حضرت شیخ مکرم مدظلہٗ
اسرار التنزیل	ملک محمد اکرم منارہ وی
چراغ مصطفوی	حافظ عبد الرزاق
اندھیروں سے اجالوں تک	احمد نواز گوجرہ
زکوٰۃ کی فرضیت اور اہمیت	ابو سعید
سائنس اور مذہب کی حقیقت	قاری محمد طیب رح
قرآن مجید کے صوری و معنوی محاسن	ڈاکٹر سید ابو بکر غزنوی

سرپرست اعلیٰ
حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہٗ
مدیر مسئول
حافظ عبد الرزاق ایم۔اے (عربی، اسلامیات)

مجلس ادارت
پروفیسر بنیاد حسین نقوی بی اے آنرز (ایم اے)
مولانا محمد اکرم منارہ وی
پروفیسر باغ حسین (ایم۔اے)
۵

بدلِ اشتراک

زر سالانہ :-	۳۵/- روپے
ششماہی :-	۱۸/- روپے
فی پرچہ :-	۳/- روپے
بیرون ملک :-	۱۰۰/- روپے

سول ایجنٹ :- مدنی کتب خانہ۔ گنپت روڈ۔ لاہور

حافظ عبد الرزاق پبلشر نے منہاج الدین اصلاحی پرنٹر شرکت پریس نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال (جہلم) سے شائع کیا

اِدارِیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نویس "اللہ" بر لوحِ دلِ من

کائناتِ جسمِ انسانی میں دل کی حیثیت مرکزی اور نہایت اہم ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی استعدادوں کی قوتِ مدبرہ اور اس کی ہیئتِ حاکمہ کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جب معاملہ یوں ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ خود اس کی اپنی استعداد اور علم و قدرت کی کیا انتہا ہوگی۔
نیر اگر سنور جائے تو تمام زیرِ اثر علاقے سنبھل جائیں گے۔

انسانی علم و فضل اور تجربہ و دیانت کی دنیا میں قلبِ انسانی کے متعلق مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ لیکن تعبیرات کے اس اختلاف کے باوصف اس کی اہمیت کسی طرح کم نہیں ہوتی۔ اگر یہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اور اس کی حیثیت ایک (Blood Pumping Machine) کی سی ہے تو بھی یہ اتنا اہم ہے کہ انسان کے جسم و جان اور دل و دماغ کی دنیائیں اسی سے متعلق ہیں۔ اگر یہ ذرا سا بگڑا تو تمام نظام ہی تلپٹ ہوگیا اور اگر اس کے وظائف درست ہیں تو زندگی کا لطف اسی سے وابستہ ہے۔

جسم و جان کی توانائیوں کی بحالی کے علاوہ "نظامِ اعصاب" اور دماغ اور اس کے "وظائف" سے بھی اس کا گہرا رابطہ ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انسانی جسم میں اس کی حیثیت محض ایک عضوِ رئیس ہی کی ہے بلکہ اس کی فکری توانائیوں اور جذباتی گہرائیوں سے بھی اس کا ایسا ہی رابطہ ہے کہ جس کا انکار علمی اور تجربی طور پر ممکن نہیں۔ دل و دماغ ہی کی استعدادوں سے انسان کو امتیاز حاصل ہے۔

اگر ذرا اور گہرائی میں جائیے اور دل و دماغ کی ان استعدادوں (Qualities of Head & Heart)

کے پسِ پردہ فیضانِ فطرت کی ان کارفرمائیوں اور کرشمہ طرازیوں کو دیکھئے کہ جن کا تعلق "**ھدایت**" اور حق و باطل کی تمیز کے احساس و وجدان سے ہے تو حیرت زدہ رہ جائیے گا کہ اس "**دل**" کی حقیقت کیا ہے اور کہاں تک اس کی رسائی ہے۔ اس دل کی حقیقت یا حقیقت شناس کا وہ جوہرِ لطیف کہ جسے درحقیقت "**دل**" کہا جاتا ہے، اس ظاہری دل کے ساتھ اس کا تعلق کچھ ایسا ہے کہ جس کی تعبیر کا حلقہ ذہنِ انسانی سے ممکن نہیں ——— ہاں اگر اس کا وجدان کبھی کبھی اس کو پالے تو اس کی گنجائش البتہ ممکن ہے ——— یہ جوہرِ لطیف ہی دراصل "دل" ہے کہ جس کا تعلق معرفت باری تعالیٰ کے احساس و وجدان اور اذہان و لقین کے ساتھ ہے۔ عارفین کی اصطلاح میں اسی کو "درد" بھی کہا جاتا ہے۔

دل تو سب کو تیری سرکار سے مل جاتے ہیں!
"درد جب تک نہ ملے" دل" نہیں ہونے پاتے !!

یہ درد یہ آگہی یہ شعور یہ احساس یہ وجدان یہ ہدایت ہی وہ نعمت ہے کہ جس کی یافت سے آدمی انسان اور انسان صحیح معنوں میں جوہرِ انسانیت سے آشنا ہوتا ہے اور اس کے لئے ہمت محنت اور مجاہدہ کی وادیوں کو طے کرتا ہے۔

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

دل کی اس حقیقت کو پالینا کہ جس کے ساتھ علم و ہدایت کے فیضانِ حقیقی کا تعلق ہے۔ نوعِ انسانی کی سب سے بڑی یافت اور فکر و وجدان کی انتہائی خوش بختی اور سعادت ہے، شعورِ حقیقی کا یہ نقطۂ عرفانی اور فیضانِ حقیقی کی یہ روشنی ذکرِ الٰہی کی برکات کا پرتو ہے ——— ذکرِ الٰہی سے یہ قلب کہ جس کا تعلق دراصل حقیقتِ قلبِ انسانی سے ہے زندہ، تابندہ اور دانا و بینا ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کے قوا صحیح معنوں میں کام کرنے لگتے ہیں تو یہ معرفتِ الٰہیہ کی وادیوں میں سیر کرنے لگتا ہے اس کے پرِ پرواز لگ جاتے ہیں اور ہر ہر قدم پر یہ احساس وجدان کی گہرائیوں سے ابھرنے لگتا ہے کہ:

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب!
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا !!

یہ لذت و یافت، یہ سرور و آگہی، یہ شعور و وجدان کا مقامِ بلند، اتباعِ شریعت، کثرتِ ذکرِ الٰہی اور

شیخِ کامل کی صحبت کے فیضان سے حاصل ہوتا ہے اور :

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

وذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

موہبت حق را دلیلے نیست جز منشائے اُو

۲

"المرشد" سے دلچسپی رکھنے والوں میں سے ایک صاحبِ ذوق نے ترکیہ سے شائع ہونے والے ایک تحقیقی مجلہ "الحقیقة" سے ایک مختصر مضمون بعنوان "محیر العقول آپریشن ——— قلب الانسان پر" اسمِ جلالی" کا نقش مع عکسی نقل اور اُردو ترجمہ ارسال فرمایا ہے۔ جس کے مختصر مضمون سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ حقیقت قلبِ انسانی میں اللہ کریم جلّ شانہٗ کے اسمِ اعظم "اللہ" کا نقشِ عظمت کچھ اس طرح سے بیٹھ جاتا ہے کہ کبھی کبھی اس کا ایک ظاہری عکس قلب صنوبری (کہ جو محض مضغۂ لحم ہے) پر بھی منعکس ہی نہیں بلکہ منقش و مرتسم ہو جاتا ہے۔ اس کی مختصر تفصیل تو قارئین اس مضمون میں دیکھیں گے، یہاں مقصودِ تحریر بس اتنا ہے کہ جس طرح ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے، اسی طرح باطن کا اثر ظاہر پر بھی پڑتا ہے ——— دل میں جب عظمتِ باری تعالیٰ سما جاتی ہے اسکی محبت کا نقش مرتسم ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کی گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے تو اس کے اثرات اس کے ظاہر پر بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان آثارِ فیضان کے دیکھنے کیلئے آنکھ بھی ایسی ہی چاہیئے کہ جسکی بینائی بھی اسی سرچشمۂ فیضانِ حقیقی سے اکتسابِ نور کر چکی ہو :

آنکھ والا تیری قدرت کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے

متذکرہ بالا شذرہ میں قلب صنوبری پر اسمِ جلالی "اللہ" کا نقشِ جمیل دیکھنے سے چشم و دل کو شادابی نظارہ جمالِ حقیقی کی وہ جھلک مقصود ہوتی ہے کہ بس!

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه.

يكتبها: محمد الكثيري

اكتشاف مذهل:

لفظ الجلالة على قلب الانسان!!

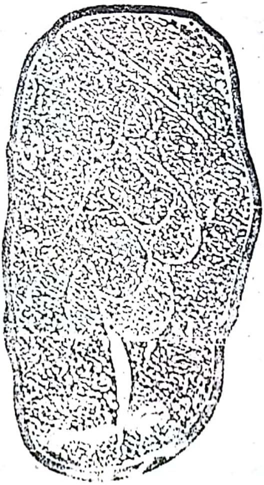

اصيب عدد كبير من مهرة الطب واساتذته بذهول عجيب إثر اكتشاف علمي عجز عن تفسيره العلم حتى الساعة وهو وجود اسم «الله» جل جلاله على جزء من قلب الانسان ويقول الخبر الذي نشرته (Realies) «الحقيقة» بان الدكتور خلوق نور باقي قد توصل الى اكتشاف مذهل والدكتور خلوق طبيب تركي متخصص في القلب وقد عثر خلال ابحاثه على ظاهرة لم يتوصل الى شرحها العلم حتى الان وهي انه توصل الى اكتشاف جزء من القلب خطت عليه وباحرف بديعة كلمة «الله». ويقول الدكتور بانه في احد الايام واذا اتصفح والكلام للدكتور كتابا علميا اخذتني الدهشة لما رايت لقد وجدت في صورة القلب اسم الله مكتوبا في وسطه واعتقدت انني تخيلت ذلك واقتربت من الصورة اكثر فتبين لي ان اسم الله مكتوب وكانه خط بانامل خطاط ماهر..!!

ولقد بحثت عدة سنوات حتى امنت بان توقيع اسم «الله» الموجود في قلب الانسان حقيقة واقعة وقد وجدته ايضا في اطلس طبي وضعه العلماء الغربيون بشكل واضح..!!

وباختصار فالقلب كل اوجه عظيم وليس التوقيع الالهي على هذا الكنز الغامض مصادفة ويتابع الدكتور قوله: نرى على طرفه الايسر هذا التوقيع باسم الله جل جلاله مرسوما وهذا العضو في جسم الانسان والذي يعتبر مورد الحياه يبين مدي اهمية الحياة المندفعة منه م مع الخبر صورة للقلب كما نشرتها المجلة المذكورة. !!

محیّر العقول آپریشن

قلبِ انسانی پر اسمِ جلالی کا نقش

محمد الکثیری تحریر فرماتے ہیں:

دنیائے طب کے ماہرین اور علماء اس حیرت انگیز آپریشن کی سائنسی توضیح سے آج تک قاصر ہیں جس کے نتیجے میں انسانی قلب کے ایک حصے پر لفظ "اللہ" کی موجودگی کا انکشاف ہوا۔ "الحقیقة" میں یہ خبر شائع کی گئی کہ ترک ماہرِ امراضِ قلب ڈاکٹر خلوق نور باقی کو ایک حیرت انگیز آپریشن کرنے کا اتفاق ہوا۔ اور اس دوران جو انکشاف ہوا اسکی تشریح کرنے سے سائنس آج تک قاصر ہے کہ دل کے ایک حصے پر آپریشن کے دوران خوبصورت حروف اور رسم الخط میں لفظ "اللہ" لکھا ہوا پایا گیا۔ یہ بات ڈاکٹر صاحب نے ایک گفتگو کے دوران بتائی اور جب میں نے اس سائنسی کتاب میں دل کی تصویر کے وسط میں "اللہ" کا اسم مبارک لکھا ہوا پایا تو مجھ پر حیرت طاری ہوگئی اور میں نے اسے اپنا وہم سمجھا لیکن قریب سے دیکھنے پر واضح ہوا کہ یہ اللہ تعالےٰ کا اسم مبارک ہے جو کہ کسی ماہر خطاط کی انگلیوں کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے۔

پھر کچھ سال کی تحقیق کے بعد مجھے ایمان لانا پڑا کہ اللہ تعالےٰ کے اسم مبارک کی قلب پر موجودگی ایک حقیقت ہے۔ جب علمائے مغرب کی ترتیب دی ہوئی سائنسی اٹلس میں میں نے اسے واضح شکل میں دیکھا۔ المختصر کہ دل جو ہر لحاظ سے عظیم ہے اس عمیق خزانے پر اسم اللہ جل شانہ کی مہر ایک اتفاق نہیں۔ اور ڈاکٹر صاحب کا قول اس کی تائید کرتا ہے کہ

"ہم نے اس کے بائیں جانب اللہ جل شانہ کے اسم مبارک کی مہر منقش دیکھی اور یہ جسم انسانی کے اس عضو کی مزید اہمیت کا اظہار ہے جو کہ زندگی کا منبع سمجھا جاتا ہے۔"

خبر کے ساتھ دل کی تصویر ہے جو کہ مذکورہ رسالے نے شائع کی ہے۔

باتیں اُن کی خوشبو خوشبو

(ارشادات شیخ مکرم مدظلہٗ العالی)

فرمایا: جس طرح عُلومِ ظاہر یہ پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہمیں تواتر کے ساتھ پہنچے ہیں۔ اسی طرح علومِ باطنیہ بھی تواتر سے ملے ہیں۔ کسی شخص نے حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا کہ یہ تصوّف جو آپ پیش کرتے ہیں اس کا کیا ثبوت ہے۔ تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا:

قاصر گر کند بر ایں طائفہ طعن قصور — حاشا للّٰہ کہ بر آرم بزبان ایں گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند — او بہ ازحیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

فرمایا: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ متاخرین کی نسبت صحابہ کرامؓ سے کرامات کا ظہور کم کیوں ہُوا؟ جواب دیا کہ صحابہ کرامؓ سے کرامات کی ضرورت ہی نہ تھی وہ تو نبوّت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ صحابہؓ کے دور میں انوارِ نبوت جلوہ فگن تھے۔ خورشیدِ نبوت کی موجودگی میں چراغوں کی کیا ضرورت تھی۔ چراغ اندھیرے میں جلائے جاتے ہیں، دن میں روشن نہیں کئے جاتے۔ صحابہؓ کا وجود ہی بذاتِ خود ایک کرامت کا درجہ رکھتا تھا۔ یہ حقیقت بھی اپنے مقام پر ناقابلِ تردید ہے کہ صحابہ کرامؓ سے بھی بکثرت کرامات کا ظہور ہُوا۔

تمام تر کمالات آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم کو عطا کئے گئے۔ پھر خلفائے راشدین کو منتقل ہوئے۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو حاصل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کو مختلف خصوصیات سے نوازا۔ میں حضرت صاحبؒ کی خدمت میں تھا۔ میرے استاد میرے ساتھ تھے۔ میں نے کہا حضرت! خواجہ قطب صاحب، محمد شاہ صاحب دولہ رحمۃ اللہ علیہ دہلی والے، یہ عالم ہیں یا نہیں۔ استاد بہت سادہ تھے۔ انہوں نے یہ بات حضرت قطب صاحب کو بتادی۔ وہ بہت متحمل مزاج تھے۔ فرمانے لگے: مولوی صاحب کو مغالطہ لگا ہے۔ میں فارغ التحصیل عالم ہوں۔ اللہ کریم نے مجھے دو خصوصیات عطا فرمائی ہیں۔ سارے کمالات کسی کو نہیں۔ میری پہلی خصوصیّت مدت کے بعد دوامِ حضور ہے۔ ہر وقت حضورؐ کی حضوری میں رہتا ہوں۔ دوم: مستجاب الدعوات ہوں میں دل سے دعا کروں تو آسمان گر پڑے گا زمین پھٹ جائے گی۔ مگر میری دُعا رد نہیں ہوگی۔

میرے متعلق فرمایا کہ انہیں دو خاص خصوصیات عطا کی جائیں گی۔ بعد میں مجھے تین خصوصیات سے نوازا گیا۔ اول یہ کہ پہلے عرش پر مسجد نور سے آگے جب سالک چلتا ہے۔ وہاں میرا یہ کہہ دینا کہ "اب جہاں تک مرضی ہے چلتا رہ" مدت تک یہ ایک توجہ ہی اس کے چلانے کے لئے کافی ہے۔ کوئی ساتھی دنیا کے کسی ملک میں ہو وہ ایک توجہ سے ہی منازلِ بالا طے کرتا رہے گا۔ ہر ایک کو یہی معلوم ہوگا کہ ان منازل میں استاد میرے ساتھ ہیں۔ سو ساری عمر کے لئے میری صرف ایک توجہ ہی بفضلہٖ تعالےٰ کافی ہے۔ عرشوں سے آگے عالمِ امر شروع ہو جاتا ہے۔ جس میں مختلف مقامات توکل، صبر، خلہ دائرہ حضرت آدم علیہ السلام، پھر دائرہ عیسوی، دائرہ موسوی، حب صرفہ اس سے آگے حقیقتِ محمدیہ ﷺ، حقیقتِ احمدیہ ﷺ اور اور مقامِ رضا۔ پھر کمالاتِ نبوت، کمالاتِ رسالت، کمالاتِ اولوالعزمی اور اس سے بھی آگے حقیقتِ صلوٰۃ، حقیقتِ کعبہ، حقیقتِ قرآن، مزید آگے قیوم، فرد اور قطب وحدت اور صدیق کے دائرے آتے ہیں۔ اس سے آگے عالمِ حیرت ہے۔ جس میں سالک حیران ہو جاتا ہے۔ تجلیاتِ باری ٹھاٹھیں مارتا سمندر محسوس ہوتا ہے۔ سات زمینیں اور سات آسمان عالمِ مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس میں مخلوق رہتی ہے۔ اس سے اوپر عالمِ برزخ ہے۔ میرے کہنے کے بعد پردے خود بخود بفضلہٖ تعالےٰ کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اور سالک کی روح مائلِ پرواز رہتی ہے۔ حج کے دوران مفتی غلام صمدانی صاحب کہنے لگے کہ حضرت! سالک اپنی منزل میں چل رہا ہوتا ہے تو شیخ کے محض ایک لفظ کہنے سے وہ کیسے رک جاتا ہے۔ میں نے کہا آپ اپنے آخری مقام پر چلیں۔ وہ جب پہنچے تو میں نے کہا آگے کیا نظر آتا ہے۔ کہنے لگے۔ میز پڑا ہوا ہے۔ میں نے کہا اسے پکڑ لیں اور آگے نہ بڑھیں۔ مکہ شریف سے مدینہ شریف گئے۔ واپس آئے اور آٹھ مہینے گزر گئے۔ میں یہ واقعہ بھول ہی گیا۔ ایک دن مفتی صاحب آئے اور کہنے لگے حضرت! وہ میز تو چھڑوائیں۔ میں نے کہا کونسا میز؟ کہنے لگے وہی جو مکہ شریف میں آپ نے پکڑوایا تھا۔ میں نے کہا یہی شیخ کی ہاں یا نہ کا اثر ہوتا ہے۔ والامر بید اللہ تعالےٰ والیہ ترجع الامور ٥

اسرار التنزیل

(مولانا محمد اکرم اعوان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

قل یا یہا الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہٖ ......
.... وھو خیر الحاکمین ہ

ارشاد ہے کہ آپ تمام نوعِ انسانی سے یہ بات فرما دیجئے! کہ قد جاءکم کہ اے بنی آدم! تمہارے پاس صداقت پہنچ چکی ہے۔ من ربکم تمہارے پروردگار کی طرف سے۔ عبادات کا تعلق الوہیّت باری سے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اکیلا ہی مستحق ہے تمام عبادات کا۔ وہ ساری کائنات کا اللہ ہے:

سرِ سر بلندانِ گردن فراز
بہ درگاہِ او بر زمینِ نیاز

اور یہاں دعوت دی جارہی ہے حق اور دین کے قبول کرنے کی۔ دین سارے کا سارا یہ ہے کہ ساری عبادات خواہ وہ مالی ہوں، بدنی ہوں یا زبانی ہوں۔ تمام تر صرف اور صرف اللہ جلّ شانہٗ کیلئے مختص کردی جائیں۔ تو چاہیئے تو یہ تھا کہ من اللہ (اللہ کی طرف سے) کہہ دیا جاتا، یا اگر آدمی کی طرف سے اسے منسوب کرنا ہی تھا تو من الٰھکم کہہ دیا جاتا لیکن یہاں من ربکم فرمایا۔ بات عبادات اور قبولِ دین کی ہورہی ہے۔ بات یہ ہورہی ہے کہ اپنی تمام تر طاعات اور فرمان برداریاں اور سارے کا سارا خلوص، اپنی ساری عبادات صرف اللہ کیلئے مختص کردو۔ اسی کا نام دین اور حق ہے۔ لیکن ارشاد ہورہا ہے من ربکم۔ ربوبیت اللہ جلّ شانہٗ کی وہ صفت ہے جس کے طفیل ساری کائنات کا وجود قائم ہے۔ جس کے طفیل ذرّہ ذرّہ اپنا وجود، اپنا کمال اور اپنے اوصاف پاتا ہے جس کے ذریعے کائنات ترتیب پائی۔ جس کے ذریعے ساری کائنات کو تخلیق کرکے قائم رکھا گیا۔ تو یہ لفظ اسی لئے ارشاد فرمایا گیا کہ عبادات یا دین اللہ کریم کیلئے نہیں ہے۔ اللہ کو کسی کی نیکی کی ضرورت اور احتیاج نہیں ہے۔ اس کی شان اس سے ورےٰ الوریٰ ہے اور بلند و بالا ہے۔ انسان جس طرح اپنے وجود کی بقا کیلئے ربوبیّت باری

کے محتاج ہیں۔ ہر وقت اسے غذا چاہیئے اور ایسی چاہیئے جو خالص ہو، صاف ستھری ہو، اپنی میعاد پوری نہ کر چکی ہو، زائدالمیعاد نہ ہو، گلی سڑی نہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ پھر اس کی اصلاح کیلئے دوا دارو بھی چاہیئے۔ جس طرح وجود کی بقا کیلئے غذا کی ضرورت ہے، اسی طرح روح کی زندگی، روح کی بقا، روح کی ترقی روح کی صحت اور روح کی خوشی اور خوشحالی کے لئے دین کی ضرورت ہے۔ اور دین بھی ربوبیت باری تعالیٰ کا مظہر ہے۔ اس لئے کہ وہ رب اللعالمین ہے۔ اصل انسان روح ہے۔ وجود تو روح کی ضروریات کا ایک آلہ ہے۔ روح چونکہ ایک لطیف شئے ہے اور اس عالم مادی میں رہتے بستے ہوئے اسے ایک مادی آلے کی ضرورت تھی۔ جس کے ذریعے وہ ان مقامات کو پا سکتا جو اس کے لئے سزاوار ہیں تو جب مرکب اور سواری اور آلے کو اتنی اہمیت رب العالمین نے دی تو اصل انسان یعنی روح کی ضروریات کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ اور پھر ربوبیت کا حال کس طرح ہوتی تھی کہ اس نصف کا جو غیر ضروری ہے اس کا تو اہتمام کر دیا جاتا اور اس نصف کا جو اصل ہے، جو ضروری ہے، جس پر مدار ہے اس کا اہتمام نہ کیا جاتا۔ تو دین جیسا کہ آجکل سمجھا جا رہا ہے کہ یہ کوئی مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔ اکثر لوگوں کو مساجد میں دیکھیں تو یوں لگتا ہے جیسے کوئی تھکا ہارا انسان دور سے آئے اس کے سر پر بڑا بوجھ ہو۔ اسے جلدی سے پھینکے اور چلتا بنے۔ بالکل اسی طرح نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔ بھاگتے دوڑتے مسجد میں آتے ہیں

کوئی دنیاوی بات چھڑ جائے تو وضو کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی کہ اعضا پوری طرح دھلے ہیں۔ ان سب پر پانی گیا ہے یا نہیں۔ یا جتنی بار دھونے تھے اتنی ہی بار دھوئے ہیں۔ بات کرنے لگیں گے تو ایک ایک بازو پر دس دس مرتبہ پانی بہاتے چلے جائیں گے۔ اور یہ تک کوئی نہیں دیکھے گا کہ پانی پورے بازو پر جا بھی رہا ہے یا نہیں۔ یاد رکھیں وضو میں جو اعضا دھونے ہیں ان میں اگر بال برابر بھی خشک رہ گیا تو وضو نہ ہوا۔ اور جب وضو ہی نہ ہوا تو نماز کب ہوگی۔ پھر نماز کے اپنے ارکان ہیں۔ اگر واجب میں تاخیر ہو جائے تو سجدہ سہو ہو سکتا ہے۔ لیکن سرے سے واجب یا فرائض بعض اوقات چھوڑ دئے جاتے ہیں واجبات ترک کر دئے جاتے ہیں۔ اس طرح قیام فرض ہے لیکن لوگ چھوڑ دیتے ہیں۔ رکوع کے بعد پھر اسی جگہ پر واپس آنا کہ پوری طرح سے اعضا، جوارح اور ہڈیاں اپنے اپنے جوڑوں میں بیٹھ جائیں۔ اسی طرح کھڑا ہونا واجب ہے اور یہ ترک ہوگا تو نماز ترک ہو جائے گی۔ فاسد ہو جائے گی۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ رکوع پر جھکے اور وہیں سے سجدے پر چلے گئے۔ اہتمام کوئی نہیں کرتا۔ حالانکہ مسجد نبوی میں کوئی شخص بعد از نماز پہنچا۔ اس نے نماز ادا کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ رہے تھے۔ وہ نماز سے فارغ ہو کر آپ کی خدمت میں آ بیٹھا۔ آپ نے فرمایا: جا کر نماز پڑھ لے۔ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ انک لم تصل آپ کے الفاظ تھے۔ اس نے دوبارہ نماز پڑھی اور پھر حاضر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا نماز پڑھ لے۔ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ تب اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میں اپنی طرف سے تو دو دفعہ نماز پڑھ چکا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا تو جب نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے اور رکوع کرتا ہے پوری طرح کمر کو سیدھا کر رکوع میں اور کمر کو سیدھا کرنے کے بعد تین تسبیحیں کہے۔ یہاں یہ حال ہوتا ہے کہ ایک جاتے ہوئے کہہ دیتے ہیں، ایک رکوع میں اور ایک واپس آتے ہوئے کہہ دیتے ہیں۔ فرمایا جب رکوع سے کھڑا ہوتا ہے تو سیدھا کھڑا ہو۔ قیام کر اور پھر سجدے میں جا۔ سجدے میں جانے کیلئے صرف تکبیر انتقالی ہے۔ رکوع میں کھڑا ہونے سے لے کر زمین پر گھٹنے، ہاتھ، ناک اور پیشانی کے لگنے تک صرف تکبیر کہنی ہے۔ تسبیحات تب شروع ہوں گی جب مذکورہ سارے اعضا زمین پر لگ چکے ہوں گے۔ پھر کم از کم تین تسبیحات کہنی ہیں۔ اور سجدے میں بھی ہوتا یہ ہے کہ جاتے جاتے کوئی ایک آدھ تسبیح کہہ لی اور آدھی زمین پر سر رکھتے ہوئے اور ایک واپسی پر کہہ لی۔ پھر جلسہ میں اس طرح بیٹھنا کہ پوری کمر کی ہڈیاں اپنے اپنے جوڑوں میں سالم بیٹھ جائیں۔ اگر اس طرح نہیں بیٹھے گا۔ راستے سے لوٹ آئے گا تو ایک سجدہ شمار ہوگا۔ دوسرا شروع ہی نہ ہوگا۔ اور ایک سجدہ فرض اور دوسرا واجب ہے۔ اگر دوسرا سجدہ ترک ہو گیا تو نماز پھر بھی باطل ہوگئی۔ کوئی شخص باسی اور جلی ہوئی روٹی کھانا پسند نہیں کرتا کہ پیٹ میں تکلیف ہو جائے گی۔ بھائی جب وجود کی غذا میں اتنا اہتمام اور احتیاط ہے تو جس کے لئے وجود ہے۔ اس کی غذا کا کیا اہتمام ہے۔ دین دراصل روح کی ضرورت ہے۔ اور روح کی زندگی، روح کی لقا، روح کی ترقی لقائے الٰہی میں ہے اور اللہ سے دوری میں روح کی موت ہے۔ زندگی اور موت کا جو تصور ہمارے سامنے ہے کہ کوئی پیدا ہوا، پلا بڑھا، چلا پھرا، اسے ہم زندہ سمجھتے ہیں اور جب کوئی ختم ہو جاتا ہے تو اسے ہم موت سے موسوم کرتے ہیں۔ عنداللہ یہ تصور صحیح نہیں ہے۔ یہ ایک اصطلاحی تصور ہے۔ حقیقی موت یہ موت نہیں ہے۔ بلکہ حقیقی موت وہ موت ہے جسے اللہ کریم سے دوری ہو اور جو اللہ تعالیٰ کے غضب کی گرفت میں آجائے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا انک لا تسمع الموتیٰ کہ اے میرے پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ تو کیا آپؐ قبرستانوں میں جا کر وعظ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کریم نے فرمایا یہ مردے ہیں ان کو نہیں سنا سکتے۔ ایسی بات نہیں تھی۔ وعظ تو انہی لوگوں میں فرمایا کرتے تھے جنہیں ہم اصطلاحاً زندہ کہتے ہیں۔ لیکن ان میں قبولِ حق کی استعداد نہ تھی۔ اللہ سے اس قدر دور ہو چکے تھے کہ اس بات کا اثر نہیں لیتے تھے۔ تو اللہ کریم نے فرمایا: یہ مر چکے ہیں یہ تو چلتی پھرتی قبریں ہیں۔ اور ان کے ارواح ان کے جسموں میں ایک میّت کی طرح پڑی ہیں۔ یہ چلتے پھرتے مدفن ہیں۔ میرے حبیبؐ آپ کے ارشاد سے یہ ایک استفادہ کریں گے۔ ورنہ ظاہراً تو کافر بہرے نہ تھے حضورؐ کی بات اگر سنتے نہ تھے تو جھگڑا کیوں کرتے تھے۔

مگر جو سننا نافع اور مفید ہو ان کے نصیب میں نہیں تھا۔ بلکہ جس طرح ایک میّت کے سرہانے کھڑے ہو کر آپ وعظ کہنا شروع کر دیں تو اوّل و آخر ساری بات

سنتا بھی رہے لیکن اس کے پاس توفیقِ عمل جو نہیں ہے اسے کیا فائدہ ہوگا۔ وہ وقت بیت گیا۔ وہ بات گئی وہ زمانہ گیا۔ اب نہ وہ آپ کی بات قبول کر کے اٹھ سکتا ہے نہ قبولِ حق کا اعلان کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی عمل کر سکتا ہے۔ اس کے عمل کا دور بیت گیا۔ سو ان لوگوں کو جن میں قبولِ حق کی استعداد نہ رہی اللہ کریم نے انہیں مردہ قرار دیا۔ روح کی موت ہی حقیقی موت ہے۔ اللہ کریم سے دوری ہے اور روح کی حیات قربِ الٰہی میں ہے۔ اور قربِ الٰہی، روح کی اور روح کی صحت کا مدار قبولِ حق پر ہے۔ اور یہی دین ساری انسانیت کی ضرورت ہے۔ اور آپ تمام نوعِ انسانی سے فرما دیجئے

یا ایھا الناس قد جاءکم من ربکم

تمہارے پروردگار کی طرف سے۔ اس کی طرف سے جو تمہاری تمام ضرورتوں کا پورا کرنے والا ہے۔ اس کی طرف سے جو تمہارے رزق کا اہتمام کرنے والا ہے۔ جو تمہاری زندگی کا انتظام کرنے والا ہے۔ اس کی طرف سے تمہاری زندگی کے اسباب آچکے ہیں۔ فمن اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہٖ۔ اب اگر کوئی حق قبول کرے گا، ہدایت کو قبول کرے گا تو اللہ پر احسان نہیں کر رہا۔ بلکہ وہ اپنی بقا، اپنی زندگی اور اپنی جان کے لئے کر رہا ہے۔ وہ ساری محنت اپنے لئے کر رہا ہے۔ یہ اس کی اپنی ضرورت ہے۔ یاد رکھیں احساسِ ضرورت ہی شعور کی دلیل ہے۔ عام زندگی میں جو شخص اپنے آپ کو لباس سے بے نیاز کر لے ہم اسے پاگل قرار دیتے ہیں۔ کیوں؟ لباس انسان کی ضرورت ہے اور وہ اس احساس سے بیگانہ ہو چکا ہے جسے بات کرنے کا سلیقہ نہ ہو، محفل کے آداب سے ناآشنا ہو، نفع و نقصان کی تمیز سے عاری ہو، ہم اسے پاگل کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ ساری چیزیں ضرورت انسانیت میں سے ہیں۔ اور اسے ان کا احساس ہی نہیں۔ سو احساسِ ضرورت کا فقدان ہی انسان کو جاہل، اُجڈ، بے وقوف یا پاگل کہلواتا ہے۔ اور انسان کی حقیقی ضرورت یہ ہے کہ اس کی روح اور باطن منور ہو اور اسے حیاتِ حقیقی نصیب ہو اور جسے روح کی حیات کا شعور ہی نہیں۔ حقیقتاً کیا وہ پاگل نہیں؟ اگرچہ ایسے بے شعور لوگوں کو آجکل کے معاشرہ میں اصطلاحاً دانشور کا نام دیا جاتا ہے۔ ہر اول فول بکنے والے کو یہاں دانشور کہہ دیا جاتا ہے۔ فی الحقیقت سب سے بڑا پاگل وہ ہے جسے اپنی روحانی زندگی کا اور اسکی بقا کا احساس نہیں۔ سو فرمایا یہ تمہاری ضرورت ہے۔ جو ہدایت قبول کرتا ہے فانما یھتدی لنفسہ وہ اپنی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر احسان نہیں کرتا۔ اور جو نہیں کرتا وہ ایسا پاگل ہے جسے اپنی ضرورت کا بھی احساس نہیں۔ ومن ضل فانما یضل علیھا اور اگر کوئی ہدایت قبول نہیں کرتا اور گمراہی اختیار کرتا ہے تو خدا کا کچھ بگاڑ نہیں رہا بلکہ وہ اپنے ساتھ ہی زیادتی کر رہا ہے۔ گمراہی اختیار کر کے وہ اپنی راہ چھوڑ دیتا ہے۔ اپنے آپ کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے اور اپنا ہی زیاں کر رہا ہے۔ اور میرے حبیبﷺ فرما دیجئے وما انا علیکم بوکیل میں تم پر داروغہ مقرر نہیں ہوں۔

کہ میں لاٹھی لوں اور تم سب کو ہنکا کر مسجد میں لے جاؤں یہ میرے فرائض میں سے نہیں ہے۔ فرمایا میں دَاعِیُ اِلَی اللّٰہ ہوں۔ اللہؐ کی طرف دعوت دینا میرا فرضِ منصبی ہے۔ جو بھی دعوت قبول کرکے میرے دروازے پر آجائے اس کا تزکیہ کرنا، اسے پاک کرنا، اسے منور کرنا اور اسے زندگی کا شعور عطا کرنا میرا فرضِ منصبی ہے۔ یہ فرائضِ نبوت میں سے ہے

یتلوا علیھم آیاتنا ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ اللہ تعالیٰ کا رسولؐ تمہیں اللہ تعالیٰ سے شرفِ ہمکلامی بخشتا ہے۔ نبیؐ کا یہ کمال ہے کہ کیسا بھی گیا گزرا انسان لے آؤ تمہیں پاک وصاف کردیتا ہے۔ اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم فرماتا ہے۔ لیکن اگر تم اعراض کرو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں سے نہیں کہ زبردستی پکڑ کر قبولِ حق کرنے پر مجبور کردیں۔ کوئی قبول نہ بھی کرے تو اے میرے حبیبؐ واتبع ما یوحیٰ الیک من ربک آپ کا کام یہ ہے کہ جو ارشاد اللہ تعالیٰ کا آپ تک پہنچے اس پر عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم، قانون اور قاعدہ اپنا لیجیے۔ خواہ ساری کائنات میں ایک فرد بھی آپؐ کے ساتھ نہ چلے تو کوئی بات نہیں اور ساری دنیا بھی چلنا چاہے تو سب کو لے کر چلیں۔ لیکن رفاقتِ رسولؐ کے لئے اتباع دین شرط ہے۔ ہر شخص کو اپنے رواج، رسوم اور اپنے بنائے ہوئے راستے اور خود متعین کی ہوئی منازل چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کا راستہ اپنانا ہوگا۔ دین یہی ہے کہ ہم اپنے متعین کردہ راستے چھوڑ دیں۔ لیکن ہماری روزمرہ زندگی میں ہوتا یہ ہے کہ جب دین کی بات آتی ہے تو ہم دین چھوڑ دیتے ہیں اور رواج نہیں چھوڑتے۔ دین کو نظر انداز کرکے رسومات پوری کی جاتی ہیں۔ اور پھر کہا جاتا ہے کہ جی خدا تو غفور الرحیم ہے اللہ کا رسولؐ بڑا کریم ہے۔ وہ ہماری شفاعت فرمائیں گے لیکن ایک بات اصولی ہے کہ قرآن میں آخرت کو بھی اس طرح پرنٹ کر دیا گیا ہے کہ پوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔ فرمایا:

حشر کا میدان ہوگا۔ لوگوں کو اٹھایا جائے گا اور ہر کوئی اپنے نبی کی طرف دوڑے گا۔ تو لوگ بھاگ کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئیں گے۔ لیکن وہ ایسے ہوں گے جنہوں نے زندگی اپنی پسند کے مطابق گزاری ہوگی۔ انہوں نے زندگی تو رسوم ورواج اور ہوا وہوس کی نذر کر دی ہوگی مگر دعویٰ اُمتی ہونے کا کریں گے۔ انہیں کوئی فرشتہ نہیں پکڑے گا۔ خدا انہیں نہیں روکے گا۔ مگر جب بارگاہِ نبوتؐ میں پہنچیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کریں گے وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا۔ کہ اے اللہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگی میں قرآن کی حکومت نہیں تھی۔ انہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ سو قرآن ناطق ہے اور اللہ گواہی دے رہے ہیں کہ حضورؐ عرض کریں گے کہ اے اللہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کو اپنی زندگی سے علیحدہ کر دیا۔ آج تو انہیں میری بارگاہ سے الگ کر دے۔ سو کتنا حسرتناک انجام ہوگا عرصۂ محشر میں۔ جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب دے دیں گے۔ اس سے رحمتِ باری دور ہو جائے گی۔ اور وہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی دُور نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری رحمت سے دُور اور محروم ہو گیا۔ سو فرمایا اے نبیؐ!

ان سے فرما دیجئے کہ میں تم پر کوئی تھانیدار مقرر نہیں ہوں۔ کہ تمہیں پکڑ کر مسجد میں لے آؤں۔ یہ تمہیں اپنی پسند سے اپنانا ہوگا۔ خود ساختہ رسوم ورواج، ضابطے اور قوانین چھوڑنے ہوں گے۔ اپنی پسند کو قربان کرنا ہوگا۔ اور اس کی بجائے اللہ جلّ شانہٗ کا عطا کردہ راستہ اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّتوں کو اپنانا ہوگا۔ اور اگر کوئی ایسا نہ کرے تو فرمایا میرے حبیبؐ! **واصبر** آپؐ صبر کریں، انتظار کریں **حتیٰ یحکم اللہ** حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے۔ **وھو خیر الحاکمین**۔ آپؐ کے اور اس شخص کے درمیان جو آپؐ کا اتباع نہیں کرتا۔ وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

سو میرے بھائی! اصل بات اور سب سے مشکل کام یہی ہے جس کے لئے تصوف اور سلوک اور سارے اذکار اور نیک لوگوں کی محفلیں اختیار کی جاتی ہیں۔ کہ ہم میں وہ قوت پیدا ہو جائے کہ رسوم کی قید سے نکل کر اتباعِ رسالتؐ کو اپنا سکیں۔ سو اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے کے فوائد جانچنے کیلئے معیار بھی یہ ہے کہ ہر شخص کی زندگی کا ایک اپنا معیار ہوتا ہے۔ ساری دنیا حضرت بایزید بسطامیؒ اور سیّد عبدالقادر جیلانیؒ نہیں بن سکتی۔ ہر شخص کو اپنا معیار دیکھنا ہے کہ اس محفل میں آنے سے پہلے میرے لیل ونہار کیسے تھے، نماز کیا تھی۔ میرے خیالات، جذبات، اعمال اور کردار کیا تھے اور کیا اس محفل میں آنے سے کوئی مثبت تبدیلی آئی ہے یا نہیں۔ تبدیلی ہر ایک کے حال میں اس کی اپنی حیثیت اور استعداد کے مطابق آئے گی۔ کسی کو مشاہدات و مکاشفات ہوں نہ ہوں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہوں تو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ نہ ہوں تو اسکی اپنی مرضی۔ مشاہدہ ہوگا اور سب کو ہوگا۔ ایک وقت آئے گا۔ فرمایا:

فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید۔

جب آنکھ بند ہوتی ہے تو آنکھ کھل جاتی ہے جسے ہم آنکھ بند ہونا کہتے ہیں۔ حقیقتاً آنکھ کھل جاتی ہے۔ سب کو بلکہ کافر کو بھی فرشتے نظر آتے ہیں۔ جنت دکھائی جاتی ہے۔ دوزخ بھی دکھائی جاتی ہے۔ مومن کو بھی ہر شے نظر آتی ہے سو جب کشف ہو، مشاہدہ ہو تو چاہیئے یہ کہ جب آنکھ کھلے تو پاس دیکھنے کو سرمایہ ہو اور اس کا معیار یہ ہے کہ اپنی زندگی کو حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے نقشِ پا پر نچھاور کر دو۔ اگر کوئی کرسکتا ہے تو زندگی میں کرنے کا صرف یہی ایک کام ہے اور جس سے یہ نہ ہوسکا۔ اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۰

عبودیّت
کا
مدار دو چیزوں پر ہے۔

حُبِّ کامل
اور
عجزِ تام

(ابن قیمؒ)

چراغِ مصطفوی

(حافظ عبدالرزاق)

عن کعب بن مالکؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ذئبان جائعان ارسلا فی غنم بافسد لھا من حرص المرء علی المال والشرف لدینہ (ترمذی)

ا۔ "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں وہ اس قدر فساد برپا نہیں کرتے جس قدر انسان کی مال وجاہ کی حرص فساد ڈالتی ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صفات اللہ تعالے نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہیں۔

بشیر اور نذیر

اس لئے حضور اکرمؐ کے طریقۂ تربیت میں یہ دو خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ کہ ایک تو خطرے سے آگاہ کرتے ہیں، دوسرا کسی بہت بڑے فائدے کے حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

اس حدیث پاک میں حضور اکرمؐ نے ایک بہت بڑے خطرے سے آگاہ فرمایا۔ اور وہ ہے انسان کے دل میں مال وجاہ کی حرص پیدا ہو جانا۔ ایک فرد میں یہ بُرائی ہونا معاشرے کیلئے اسقدر بگاڑ کا باعث بنتا ہے کہ جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر حضور اکرمؐ نے اس بگاڑ کو ایک مثال یا تشبیہ سے واضح فرمایا ہے۔ اس تقابل سے انسان کے مال وجاہ کی حرص کا بگاڑ سمجھ میں آجاتا ہے۔

تصور کیجئے کہ بھیڑیا جو درندہ ہے جسکی سرشت چیرنا پھاڑنا ہے اور وہ اسی تاک میں رہتا ہے۔ اسے بکریوں کے ایک ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے۔ یہاں دو باتیں اور قابل غور ہیں۔ اول یہ کہ بھیڑیے دو ہوں اور بھوکے ہوں۔ پھر یہ کہ انہیں کسی رکاوٹ کا خطرہ نہ ہو کیونکہ وہ ارادتاً ریوڑ میں چھوڑ دئے جائیں تو اندازہ کیجئے کہ وہ کس قسم کی تباہی کا موجب ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ آزادی سے جی بھر کے شکار کریں گے۔ مگر بکریوں کا ریوڑ ہے اور وہ دو ہیں۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ دو دو، تین تین، بھیڑ بکری پھاڑ کھائیں گے۔

جب سیر ہوگئے تو چیرنے پھاڑنے کا محرک ہی نہ رہا۔ پھر یہ ہے کہ ان کے آپس میں الجھنے یا ایک دوسرے سے چھیننے کا موقع بھی نہیں۔ کیونکہ ریوڑ ایک ہے وہ اطمینان سے آزادی سے چیر پھاڑ کے کھائیں گے اور سیر ہوکر مطمئن ہو جائیں گے۔ باقی ریوڑ خود بخود بچ جائے گا۔

اس کے مقابلے میں ایک انسان جو درندہ نہیں ہے بلکہ اشرف المخلوقات ہے۔ اگر اس کے اندر مال اور جاہ کی حرص پیدا ہوگئی تو اس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ کسی صورت میں جی نہیں بھرتا۔ مال کا حرص اسے ہمیشہ ننانوے کے پھیر میں رکھتی ہے لاکھ پتی ہو جائے تو کروڑ پتی بننے کی فکر لاحق ہوجاتی ہے اسی وجہ سے داناؤں نے کہا ہے : ؎

ایں دو چشم تنگ دنیا دار را
یا قناعت پر کند یا خاکِ گور !

مگر جہاں حرص آجائے وہاں قناعت کا گذر ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا مال جمع کرنے کی حرص مرتے دم تک پیچھا نہیں چھوڑتی۔ کہ آدمی کسی مقام پر پہنچ کر تو بس کر سکے۔ اسی طرح جاہ و مرتبہ کی حرص انسان کو کسی حالت میں چین نہیں لینے دیتی۔ جو منصب بھی ملے اس پر اکتفا کرنا ممکن ہی نہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک موقع پر آدمی بلدیہ کا ممبر بننے کیلئے میدان میں آتا ہے دوسرے موقع پر ڈسٹرکٹ کونسل کا ممبر بننے کیلئے بے قرار ہوتا ہے۔ تیسرے موقع پر صوبائی اسمبلی کیلئے ہاتھ مارتا ہے پھر مرکزی اسمبلی کی رکنیت کیلئے بے چین ہوتا ہے۔ پھر وزارت عظمیٰ پر نظر جم جاتی ہے۔ غرض جاہ و مرتبہ کی حرص ایسی نان سٹاپ گاڑی ہے جس کا کوئی سٹیشن نہیں ہے۔

یہ پہلو انسان کے شخصی بگاڑ کا ہے۔ یعنی جس آدمی نے مقصدِ تخلیق ہی یہ سمجھ لیا کہ بنک بیلنس بناتا رہے یا کسی قسم کی لیڈری کیلئے ہی جوڑ توڑ میں لگا رہے۔ وہ لازمًا شرفِ انسانیت سے محروم ہوگیا۔ اسی کیلئے انسان کا لفظ ہی غیر موزوں ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ مال کی حرص کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ مال آئے خواہ کہیں سے آئے، کسی صورت میں آئے۔ چنانچہ مال کا حریص جائز و ناجائز، حرام و حلال کی قیود سے ناآشنا ہوتا ہے۔ یہ پہلو انسان کی آخرت بگاڑنے کیلئے کافی ہے

تیسرا پہلو یہ ہے کہ مال کی حرص انسان کو اپنے حق پر اکتفا نہیں کرنے دیتی اور جائز حدود کے اندر رہنا اس کے لئے ممکن نہیں رہتا۔ چنانچہ وہ دوسروں کی حق تلفی کرنا، دوسروں کا مال چھیننا خواہ وہ دھوکے سے ہو یا علانیہ، لوٹ کھسوٹ سے ہو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔ چنانچہ ایسے آدمی سے کسی کا مال چھوڑ عزت و آبرو اور جان تک محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اور وہ ایک ایسا بھوکا بھیڑیا بن جاتا ہے جو اس درندگی سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔ یہ پہلو معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے کی ایسی صورت ہے جس کی توقع درندوں سے بھی نہیں ہوتی۔

چوتھا پہلو یہ ہے کہ چونکہ اسے بدنامی کا خیال یا قانون کا ڈر کسی نہ کسی درجے میں ضرور رہتا ہے اس لئے وہ جہاں مصنوعی پردوں کی آڑ میں یہ کھیل کھیلتا ہے وہاں اس کی یہ بھی فکر ہوتی ہے کہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مال حاصل کیا جائے۔ اس کی یہ جلد بازی جو اسکی مجبوری ہوتی ہے۔ وہ معاشرے کیلئے وبال بن جاتی ہے۔

پانچواں پہلو یہ ہے کہ جب ایسا آدمی مال جمع کرنے

یں بظاہر کامیاب نظر آتا ہے تو کوتاہ اندیش اور ظاہر بین لوگ اس کی نقل کرکے اسی راہ پر چلنے لگتے ہیں۔ اس طرح اس کا یہ مرض ایک متعدی بیماری بن جاتی ہے اور ایسے گرے ہوئے افراد کی تعداد میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ گویا اسلامی معاشرے کو مادہ پرستی کا گھن لگ جاتا ہے۔

اسی طرح جاہ و منصب کی حرص انسان سے کیا نہیں کراتی۔ الیکشن کے موسم میں اس کی بہار دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ جوڑ توڑ کے جو حربے، جھوٹ، لالچ، دھن دھونس، دھمکیوں کی صورت میں اختیار کئے جاتے ہیں۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ کھوکھلے نعرے، جھوٹے وعدے، ڈرامائی خوش خلقی، وقتی بہروپیا پن کیا کچھ دیکھنے میں نہیں آتا۔ اس خوش اخلاقی کی ایکٹنگ دیکھ کر اہلِ دل گھبرا اٹھتے ہیں۔ ؎

بھیڈاں وانگ حلیم دسیویں، نیت دیا گھیاڑا۔

اس کا ایک پہلو تو شخصی سیرت کی تباہی ہے۔ کہ انسان کا ضمیر مر جاتا ہے۔ کوئی تشخص قائم نہیں رہتا کسی اعلیٰ کردار کی توقع نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میدان میں آکر انسان بس ایکٹر بن کر رہ جاتا ہے۔ جو حالات کے مطابق ہر قسم کی ایکٹنگ کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ حالت یہ ہوتی ہے کہ گنگا گئے تو گنگا رام، جمنا گئے تو جمنا داس۔ ماضی قریب کی سیاسی زندگی میں جاہ پرستوں کا پارٹیاں بدلنا اسی ذہنیت کا آئینہ دار ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ جاہ پسند آدمی کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کا قد اگر ایک فٹ ہے تو ایک گز دکھائے اور دوسروں کو یہ ماننے پر مجبور کرے۔ اور اس کے مدمقابل کا قد اگر ایک گز ہے تو اسے ایک فٹ دکھائے۔ تہمت، الزام، بہتان، غیبت، جھوٹ وغیرہ کی فصل پورے جوبن پر آتی ہے۔ یعنی اس نے نہ صرف اپنی سیرت کو داغدار کیا۔ بلکہ دوسروں پر کیچڑ اچھالنے میں بھی فخر محسوس کیا۔

تیسرا پہلو یہ ہے کہ جس معاشرے میں ایسے جاہ پرست عام ہوجائیں اس معاشرے میں اعلیٰ سیرت و کردار کے انسان ڈھونڈے نہیں ملتے۔ بس معاشرہ صرف کھوکھلے نعروں پر چلتا ہے اور خود فریبی اور خدا فریبی کے فن میں ہر فرد طاق ہو جاتا ہے۔ دیکھ لیجئے! پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ جو سنہ ۴۷ء میں دیا گیا۔ وہ اب بھی اسی قوت سے موجود ہے۔ مگر معاشرے میں لا الٰہ الا اللہ کا ثبوت نہ نیچے ملتا ہے نہ اوپر، نہ عوام میں نہ خواص میں۔ اب آپ خود فیصلہ کریں کہ اس سے بڑا فساد کیا بھوکے بھیڑیے پیدا کر سکتے ہیں؟

؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا!
اور کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

مالِ حرام

۱۔ عن ابی بکر الصدیقؓ عن النبیؐ قال لا یدخل الجنۃ جسدٌ غذی بحرامٍ (طبرانی)

۲۔ عن ابن عباسؓ۔ ان تصدق بہ لم یقبل منہ

وما بقی کان زادہ الی النار (حاکم)

۱- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " وہ جسم جنت میں داخل نہ ہوگا جسکی پرورش حرام مال سے کی گئی ہو۔"

۲- "اللہ تعالےٰ حرام مال سے صدقہ وخیرات قبول نہیں کرتا اور جو بچ جائے وہ اس کے حق میں جہنم کا زادِ راہ ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی بقا کیلئے اور انسان کو صحیح معنوں میں انسان بنانے کے لئے جب بھی اور جس کو بھی نصیحت کے طور پر کچھ ارشاد فرمایا تو اس میں بالعموم ایک اصول نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ یہ کہ حضور اکرمؐ اس فعل کے اثرات کو آخرت کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خاص فعل انسان کی دنیوی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس فعل کا اثر جو اس دنیوی زندگی پر ہوتا ہے وہ اس عارضی زندگی کی طرح عارضی ہوتا ہے۔ مگر اسی فعل سے جو اثر انسان کی اخروی زندگی پر ہوتا ہے، وہ پائدار اور دائمی ہوتا ہے۔ اور انسانی مزاج کا یہ خاصہ ہے کہ وہ دائمی اور ابدی اثر کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حضور اکرمؐ کا اصول تربیت انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے۔

اس حدیث میں حضور اکرمؐ نے سب سے پہلے حرام مال کے جمع کرنے، اور اس سے اپنی غذا کی ضرورت کو پورا کرنے کا اثر یہ بیان فرمایا کہ وہ جسم کے گوشت پوست کی تیاری حرام مال سے ہوئی جسکی رگوں میں دوڑنے والا خون حرام مال سے تیار ہوا اس کے لئے جنت بھی حرام ہے۔ یہ اثر کوئی معمولی اثر نہیں بلکہ ایک عظیم خطرہ کی نشاندہی فرمائی گئی۔ جنت میں داخلہ نہ ملنے کے معنی یہ ہوئے کہ اس جسم کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ جنت اور جہنم کوئی فرضی یا افسانوی چیزیں نہیں۔ یہ دونوں ابدی زندگی کے لئے رہنے سہنے کی جگہیں ہیں۔ جنت وہ مقام ہے جہاں ہر طرح کی راحت، آرام، سکون اور عیش کے مواقع ہوں گے۔ بلکہ جنت کی تعریف میں تو رب العالمین نے یہاں تک فرمایا کہ **ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا تدعون**۔ یعنی جنت وہ قیام گاہ ہے کہ وہاں کے باسی جو چاہیں گے، موجود پائیں گے۔ جو مانگیں گے مل جائے گا۔ کون ایسا ذی ہوش انسان ہو سکتا ہے جس کے دل میں ایسے مقام کی خواہش یا طلب نہ ہو۔ مگر اس کی محرومیوں کا کیا ٹھکانہ کہ جس کو اپنی زندگی میں سنا دیا گیا کہ تمہیں ایسے مقام میں داخلہ ہرگز نہیں مل سکے گا۔ اپنی شدید محرومی کا احساس دلاتے ہوئے حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اگر ابدی زندگی کو خوشگوار اور پُرسکون بنانا چاہتے ہو تو حرام مال سے یوں بچو جیسے تم آگ سے اپنے آپ کو بچاتے ہو اور اگر تمہیں تقاضائے ہوش وحواس جہنم کی آگ کے الاؤ میں ہی رہنا پسند ہے تو حرام سے کیوں بچو گے۔

انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ مال کا بہت حریص ہے اور یہ ایسی بیماری ہے کہ مال کے اضافہ کے ساتھ حرص بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور جب جائز طریقے سے مطلوبہ مقدار میں مال جمع نہیں ہو سکتا تو انسان ناجائز ذرائع اختیار کر لیتا ہے۔ یہ رشوت کی گرم بازاری، یہ سمگلنگ کا کاروبار، یہ چوریاں اور ڈاکے، یہ قتل وغارت کیا ہے؟

یہ سب حرام مال کے کرشمے ہیں۔ معلوم ہُوا کہ حرام مال کا اخروی اثر تو حضور اکرمؐ نے بتا دیا مگر دنیا میں اس کے اثرات ہم ہر روز سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ حضور اکرمؐ کے ساتھ اگر مسلمان کا واقعی قلبی تعلق ہو اور صرف اس ایک حدیث پر عمل کرنا شروع کر دے تو حرام ذرائع سے زر اندوزی کے یہ سارے راستے بند ہو جائیں۔ اور معاشرے کی یہ حالت ہو جائے کہ۔ ع

دنیا ہی میں رہتے ہوئے جنّت کی فضا دیکھ

اسی سلسلے میں حضور اکرمؐ نے ایک اور بیماری کی نشاندہی فرمادی کہ انسان بعض اوقات اپنے آپ کو یوں تسلی دینے لگتا ہے کہ حرام کی کمائی سے صدقہ خیرات کرنے سے بقیہ مال آپ سے آپ پاک ہو جائے گا۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ صدقہ وخیرات کر دینا ہی کافی نہیں، بلکہ اس کا مقبول ہونا ضروری ہے۔ جبتک اللہ کے ہاں مقبول نہ ہو وہ بس نام کا صدقہ ہے، کام کا نہیں۔ تو حضور اکرمؐ نے خبر دے دی کہ حرام مال سے صدقہ خیرات جو دیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ قبول ہی نہیں فرمائے گا۔ لہٰذا اس فریبِ نفس میں مبتلا ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ حرام مال سے صدقہ کرنا تو ایسا ہی ہے جیسا کوئی شخص میلے اور گندے کپڑے کو پیشاب سے دھونے بیٹھ جائے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ حرام مال کی حرص انسان کے شخصی کردار کو یہاں تک داغدار کر دیتی ہے کہ ایسے شخص کے لئے انسان کا لفظ استعمال کرنا انسانیت کی توہین ہے اور معاشرے میں بدامنی، بے چینی اور عدمِ تحفظ کا باعث ہے۔ اور آخرت میں ذلت و رسوائی پلے پڑے گی۔

اللہ فہمِ صحیح عطا فرمائے۔ آمین!

یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ یَا سَیِّدَ الْبَشَرْ
مِنْ وَّجْھِكَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرْ
لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقَّہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر!

اندھیروں سے اجالوں تک

(احمد نواز - گوجرہ)

اس عالمِ رنگ و بو میں جس قدر بھی خدائے پاک کی نعمتیں بکھری پڑی ہیں۔ اگر ان سب کو یکجا کر دیا جائے تو ہدایت کی نعمت پھر بھی ان سب سے بڑی نعمت ہے۔ خود مالکِ کائنات کے نزدیک اپنے بندوں پر ہدائیت سے بڑھ کر کوئی بخشش نہیں۔ وہ جب کسی سے راضی ہوتا ہے تو اپنے قیمتی خزانوں سے اعلیٰ چیز "ہدایت" سے نواز دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اندھیروں کو روشنی سمجھ کر بیٹھا رہے تو پھر روشنی کہاں نصیب ہوگی۔ اگر اس کو کسی سے ملنے کی چاہت ہی نہیں تو کوئی اسے ملنے کی تمنا کب کرے گا۔

اس جہانِ فانی میں مخلوقات کا ایک سمندر ہے جسے ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک طرف سے تو وہ آ رہا ہے اور دوسری طرف ایک نامعلوم منزل کی طرف زندگی کے سانس پورے کر کے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ آخر وہ کونسی منزل ہے جہاں یہ قافلہ ٹھہرتا ہوگا۔ یکن مرحلوں سے گزرتا ہوگا۔ اور اس کا انجام کیا ہوتا ہوگا؟

یہی سوال ایک مدت پہلے میرے دل نے مجھ سے کیا تھا۔ جب دل دنیا کی دلفریبیوں میں مگن تھا۔ منزل کے طویل راستے سے بے خبر، جب اپنی عقل میں کسی کے دخل کو کوئی جگہ نہ تھی۔ میں زندگی کی چوبیس منزلیں طے کر چکا تھا۔ گزرا ہوا وقت واپس لانا ناممکن تھا۔ متاعِ عزیز کتنی ارزانی میں فروخت کر دی تھی۔ آہستہ آہستہ اندھیروں کا احساس بڑھنے لگا۔ لیکن اس تاریکی کے سمندر میں سے کیسے نکلوں؟ کہاں روشنی کے چراغ جلتے ہیں؟ کونسا راستہ منزل کو جاتا ہے؟ کون میرا ہاتھ پکڑے؟ کونسا ہاتھ راہبر کا ہاتھ ہے؟ یہ سب کچھ معلوم نہ تھا۔

ایسے جینے سے موت بہتر تھی
ہائے جب جی لیا تو یاد آیا!

اب دل اس درد کی دوا ڈھونڈنے لگا۔ میں روشنی کو تلاش کرتا رہا۔ آخر ایک مدت کے بعد امید کی مدھم سی کرن نظر آئی۔ اور مجھے رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں جانے کا اتفاق ہوا۔ خدائے بزرگ و برتر کو شاید مجھ پر رحم آگیا تھا۔ میں چالیس دن کیلئے تبلیغی جماعت کے ساتھ چل پڑا۔ طبیعت کو کچھ سکون ملا تو میں نے وہیں چالیس دن کی بجائے چار مہینے جماعت کے ساتھ گزارنے کا ارادہ کر لیا۔ وقت گزرتا گیا۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے نماز اور چھوٹی چھوٹی سورتوں کی تصحیح ہوتی گئی۔ لیکن کسی خاص تعلق یا وابستگی

کی تڑپ بدستور بڑھتی چلی گئی۔ میں لمحہ بلحہ اپنے اندر کسی خاص کمی کو محسوس کرتا رہا۔ آخر چار ماہ کا وقت ختم ہو گیا اس عرصہ میں چند واقعات خرقِ عادت کے طور پر پیش آئے جن کا ذکر میں نے رائے ونڈ کے اکابر بزرگ مولانا نذرالرحمٰن صاحب سے کیا۔ آپ نے بڑے غور سے میری باتیں سنیں اور فرمایا۔ بٹیا! آپ کسی شیخ کامل کو تلاش کریں۔ جو آپ کی راہنمائی کرتا رہے اور تبلیغی جماعت سے بھی وابستہ رہنا۔

یکبارگی کئی سوالات ذہن میں ابھرے۔ مجھ جیسا اجنبی کس کو تلاش کرے گا اور کیسے تلاش کرے؟ میں نے استفسار کیا کہ حضرت مجھے تو شیخ کامل کی پہچان نہیں ہے؛ آپ میری راہنمائی فرمائیں۔ آپ جس کے ہاتھ پر فرمائیں گے میں بیعت کر لوں گا۔ وہ میری بیچارگی پہ مسکرا دئے۔ اور چند بزرگوں کے نام بتا کر فرمانے لگے ان کے متعلق استخارہ کر لو۔ خدائے پاک آپ کی راہنمائی فرمائیں گے۔ آخری دن جب میں واپس ہونے لگا تو حضرت مولانا جمشید صاحب نے مجھے ہدایات فرمائیں۔ فرمانے لگے۔ بٹیا! اب تم اپنے ماحول میں جا رہے ہو۔ "خدا حافظ" لیکن یاد رکھنا اصل کام آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو کرتے رہنا ہے۔ گاڑی کے انجن کی طرح رہنا کہ وہ دوسروں کو کھینچتا ہے۔ اور بیٹا! ماحول میں ریشم کی رسی کی مانند رہنا۔ کہ دیکھنے میں وہ انتہائی پتلی اور نازک محسوس ہوتی ہے لیکن اگر ہاتھی بھی اس سے باندھ دو تو نہیں ٹوٹتی۔ میں ان کی دعائیں لیتا ہوا واپس روانہ ہوا۔

میری تشنگی مزید بڑھتی چلی جا رہی تھی کہ کسی طرح میں شیخ کامل سے وابستہ ہو جاؤں۔ دورانِ تلاش میں نے کئی آدمیوں سے پوچھا کہ آپ کہاں بیعت ہیں وہ فرماتے کہ ہم وہاں فلاں جگہ بیعت ہیں۔ لیکن جب میں ان سے یہ سوال کرتا کہ شیخ تمہاری تربیت کیسے فرماتے ہیں۔ تو وہ کچھ نہ بتا سکتے تھے۔ بلکہ یہ سوال ہی انہیں عجیب لگتا۔ فقط چند ایک نے بتایا کہ ہمیں شیخ نے فلاں فلاں تسبیحات ارشاد فرمائیں اور بتایا کہ جب کبھی ہمارے شیخ ہمارے علاقے میں آتے ہیں تو ہم ان سے جا کر مل آتے ہیں۔ اور میں نے ان لوگوں کے اندر وابستگی کے بعد کی زندگی میں کوئی تبدیلی بھی محسوس نہ کی۔ بس یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے لوگ رسماً کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ملے ہیں جن کو شیخ کے نام سے تو انتہائی محبت تھی لیکن فرائض اور سنت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

اس کے برعکس میں کسی ایسی ہستی کی تلاش میں تھا جو اس ظلمانی اور الحادی دور میں ایک سراجِ منیر ہو۔ جس کے ساتھ رسمی تعلق نہ ہو۔ بلکہ تعلق کا ایسا مضبوط بندھن ہو کہ وہ مسلسل تربیت کرنے والا ہو۔ سبق پڑھانے والا ہو اور پھر سبق سننے یا دیکھنے والا ہو۔ احکام خداوندی کے طریقوں پر عمل کرنا سکھائے اور ممنوعات سے بچنے کے گر سکھائے۔ تزکیۂ نفس کا سبب بنے۔ توحید سے شناسائی بخشے۔ ایک ایسی ہستی ہو جس سے وابستہ ہو کر مشیت ایزدی کی کامل اطاعت کا جذبہ پیدا ہو جائے جو عالم باعمل ہو۔ باطنی صفات کا مالک ہو۔ پستیوں سے بلندیوں کی طرف لے جانے والا ہو۔

ایک ایسے گوہرِ نایاب کی تلاش میں جب مجھے ناکامی

محسوس ہوتی نظر آئی تو میں نے اپنے بڑے بھائی سے اس بات کا ذکر کیا۔ فرماتے مجھے کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ سے چند میل دور ایک گاؤں ہے۔ جہاں ایک آدمی رہتے ہیں۔ وہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ روزانہ ذکر ان کا معمول ہے آپ ان کے پاس جائیں ایک دو دن ان کے ہاں رہیں اگر آپ محسوس کریں گے کہ واقعی کسی تربیت یافتہ کے تربیت کئے ہوئے ہیں تو پھر آپ بھی وہیں بیعت ہو جائیں جہاں کہ وہ بیعت ہیں۔ پھر اس کے بعد مزید استخارہ بھی کر لینا۔ مجھے ان کی یہ بات بڑی پسند آئی اور میں ان کے گاؤں جانے کی تیاری کرنے لگا۔

وہ مردِ درویش جن کا ایڈریس مجھے بڑے بھائی نے دیا وہ حکیم محمد صادق صاحب تھے۔ جو چک ۴۸۲ میں رہائش پذیر تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ میں ان سے ملاقات کا ارادہ لے کر گھر سے نکلا۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ سے آپ کا گاؤں تقریباً سات آٹھ میل دور تھا۔ راستے کا ایک حصہ جنگل نما، تیز دھوپ، راستے میں پینے کا پانی تک میسر نہ ہوتا تھا۔ پسینے سے شرابور ان کے گاؤں پہنچا اور آپ کے گھر پہنچ گیا۔ واللہ آج بھی زندگی کے وہ لمحات میرے سامنے ہیں۔ محنت و مشقت کے روشن چہرے والا تربیت یافتہ انسان جو ہر آنے والے کیلئے دل میں درد لئے بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر مسکرا اٹھا۔ قریب پہنچ کر میں نے سلام کیا۔ آپ نے انتہائی محبت سے مجھے بٹھایا میرے لئے ٹھنڈا شربت لے آئے۔ کچھ توقف کے بعد پوچھا بھائی کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا اللہ کی محبت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ بڑے بھائی نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد جمعہ کا وقت ہوا۔ تو آپ نے دکان بند کر دی اور ہم نمازِ جمعہ ادا کرنے کیلئے مسجد میں چلے گئے۔ اس کے بعد میں نے جو آپ کے اوقات کا مطالعہ کیا وہ کچھ یوں تھا۔

آپ صبح نمازِ تہجد کیلئے اٹھ جاتے۔ نماز سے فارغ ہوتے تو ذکر خفی میں مشغول ہو جاتے۔ ذکر سے فارغ ہو کر نمازِ فجر کی اذان دینے کیلئے مسجد میں تشریف لے جاتے اذان کے بعد فرض نماز تک سنتوں اور تسبیحات میں مشغول رہتے۔ نمازِ فجر کے بعد تلاوتِ کلام پاک فرماتے۔ پھر دکان کھولتے اور گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے۔ باقی فارغ اوقات میں حضرت شیخ المکرم کے ملفوظات سے فائدہ اٹھاتے۔

آپ کے اوقات کا مطالعہ میرے لئے انتہائی حوصلہ افزا ثابت ہوا۔ مغرب کے بعد آپ نے مجھے لطیفۂ قلب، ذکرِ خفی کا طریقہ ارشاد فرمایا اور ہم ذکر کرنے بیٹھ گئے آج میرا زندگی کا نیا سفر شروع ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے آج زندگی کی ابتدا کر رہا ہوں۔ پہلے ارادہ کیا۔ اے اللہ تیرا ذکر تیری رضا کیلئے کر رہا ہوں۔ تاکہ تو مجھ سے راضی ہو جائے اور تیری محبت میرے دل میں آجائے۔ منہ بند، زبان بند، آنکھیں بند۔ دنیا کی رنگینیوں کو جب ایک لمحے کیلئے جھٹکا تو اپنے اندر کی دنیا نکھرتی نظر آئی۔ مدتوں جب قلب کو سینے میں بیکار چھپائے پھرتا تھا آج اس کی قیمت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ انوارات کے بادل سبز و سفید رنگوں میں سامنے اڑنے لگے۔ سینے کی روشنیاں آکاش پر ننھے ننھے سیمابوں کی طرح جھلملانے لگیں۔ فرحت کی ایک لہر سرتاپا اتر گئی۔ پھر چند لمحے مراقبات میں گزار کر

دُعا مانگی۔ اس وقت مجھے انتہائی خوشی ہو رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی قیمتی خزانہ مجھے مل گیا ہو۔ لطیفہ قلب کا سبق لے کر جب اگلے روز واپس ہونے لگا تو آپ نے فرمایا:

ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہنا۔ خصوصاً دو وقت ذکر کا اہتمام کرنا۔ نماز پابندی سے ادا کرنا۔ بازار کی پکی ہوئی چیزیں کھانے سے دل مرجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر لوگ ناپاکی کی حالت میں چیزیں پکاتے ہیں۔ جن کے اثرات چیزوں میں موجود ہوتے ہیں۔ دوسروں کو ذکر کی دعوت دیتے رہنا۔ اور ہاں میں ہر ہفتے اجتماعی ذکر کیلئے ٹوبہ ٹیک سنگھ آتا ہوں۔ ہو سکے تو ضرور آتے رہنا اور میں ان کی دعائیں لیتا ہُوا واپس آ گیا۔

گھر آ کر میں نے استخارہ کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بچہ ہے جو ہاتھ میں پہلی جماعت کا قاعدہ لئے جناب حکیم صاحب کے گھر کی طرف بھاگا چلا جا رہا ہے۔ سوچا وہ طفلِ مکتب شاید میں ہی ہوں۔ جسے اللہ نے اپنے فضل و کرم سے پہلی جماعت کے قاعدے کے ساتھ قبول فرما لیا ہے۔ پھر میں کئی روز تک استخارہ کرتا رہا اور مجھے ہر روز اسی سلسلہ سے منسلک ہونے کا اشارہ ملتا رہا۔ میں اس لئے بار بار استخارہ کیا کرتا تھا کہ چلو مالکِ کائنات کا اشارہ ملے گا۔ اتنی بھری دنیا میں مَیں کتنا خوش قسمت ہوں کہ اگر وہ میری طرف التفات کرے۔

اس وقت ٹوبہ ٹیک سنگھ کے صرف دو ساتھی اور گوجرہ سے بڑے بھائی اور ماسٹر عبدالرشید صاحب ٹوبہ ٹیک سنگھ ذکر کیلئے اکٹھے ہُوا کرتے تھے۔ اور حضرت حکیم صاحب نمازِ مغرب کے بعد ہر ہفتے ذکر پابندی کے ساتھ کرواتے تھے۔ سخت گرمی ہو یا سخت سردی، آپ نے کبھی ناغہ نہ فرمایا۔ دن گزرتے گئے اور محترم حکیم صاحب کی شفقت بدستور بڑھتی گئی۔ گوجرہ سے چند ایک ساتھی حلقۂ ذکر میں اور شامل ہو گئے۔ چند ماہ بعد ہمارا منارہ کا سالانہ پروگرام شروع ہو رہا تھا۔ جہاں ہمارے شیخ المکرم کم و بیش چالیس دن تک قیام فرما کر آنے والوں کی رُوحانی تشنگی دُور فرماتے۔ باقی چھوٹے تربیتی پروگرام اس کے علاوہ ہُوا کرتے تھے۔

یہ میرا پہلا موقع تھا کہ اللہ نے مجھے حضرت استاذ المکرم کے انفاسِ صحبت سے فیضیاب ہونے کی توفیق نصیب فرمائی۔ میں یہاں تقریباً بائیس دن ٹھہرا۔ اور مجھے انتہائی خوشی ہوئی کہ پہاڑوں کی گود میں ایک ایسا مدرسہ ہے جہاں بچے سے لے کر بوڑھے تک ہر شخص کی ظاہری و باطنی تربیت کا انتظام موجود ہے۔ ملک کے کونے کونے سے ہزاروں لوگ اپنی روحانی پیاس بجھانے کیلئے یہاں پہنچے ہوئے تھے۔ غریب بھی، امیر بھی، ملازم بھی، اعلیٰ افسر بھی، ہر شخص پتھروں پر سکون سے سوتا اور جو ملتا اس پر صبر کرتا۔ اور ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق اس شاہِ خاور سے ہدایت کا نور حاصل کرتا۔ نماز باجماعت، تہجد ذکر، تلاوت، تفسیر، بیان، صحبتِ شیخ، یہاں کی نعمتیں تھیں۔ علماء کی ایک جماعت تھی جو ظاہری پہلوؤں پر محنت کرواتی اور ہر قسم کے مسائل سے آگاہ کرتے۔

یقیناً شیخ المکرم کا ظاہری و باطنی جملہ علوم پر حاوی ہونے ہی کی وجہ تھی کہ اس قدر علماء آپ کے گرد اگرد اکٹھے رہتے تھے۔ یقیناً ان کی پیاس یہاں بجھتی تھی۔ وگرنہ اس دَور میں تو اکثر علماء اپنی تربیت کے لئے کہیں جانا ویسے ہی

اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتے۔

دورانِ پروگرام ہم نے جناب حافظ عبدالرزاق صاحب سے عرض کیا کہ آپ ہمیں گوجرہ میں ذکر کروانے تشریف لایا کریں۔ آپ نے رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اللہ عزوجل آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ کہاں چکوال اور کہاں گوجرہ۔ ہر ماہ جناب حافظ صاحب گوجرہ تشریف لاتے رہے۔ کہاں لاہور اور کہاں گوجرہ۔ جناب حافظ حبیب الرحمٰن صاحب بھی ذکر کروانے گوجرہ تشریف لاتے رہے۔ محترم حکیم محمد صادق صاحب بھی کم و بیش تیس میل کی مسافت طے کر کے ہر پروگرام میں گوجرہ پہنچتے رہے۔ اللہ ان لوگوں کا بھلا کرے۔ نہ ان ہستیوں نے کبھی ہم سے کرایہ طلب کیا، نہ کبھی اچھے کھانے کی طلب کی۔ نہ کبھی سفر کی مشقت بیان فرمائی۔ جیسا ملا کھالیا، جہاں جگہ ملی چند لمحے آرام فرمالیا۔ بذاتِ خود حضرت شیخ المکرم عمر کے اس حصے میں ہیں کہ بڑھاپے کی وجہ سے اعضاء جواب دے رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی سال بھر اپنے شاگردوں کی تربیت کیلئے گاؤں گاؤں، شہر شہر پورے ملک میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ حالانکہ کسی دنیاوی چیز کی طلب نہیں۔ زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور عمر کا یہ حصہ بھی آرام کرنے کا ہے لیکن انسانیت کا درد کسی لمحے چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔

حضرت فرمایا کرتے ہیں۔ میرے پاس صرف طلب صادق لے کر آجاؤ۔ میرے پاس رہو۔ میرے پاس سے کھاؤ۔ میں ہر لمحہ تمہاری تربیت کیلئے حاضر ہوں۔

حضرت جی فرمایا کرتے ہیں کہ جو بھی میرے پاس آتا ہے میں سینے سے لگالیتا ہوں۔ ہر شخص تو موتی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لیکن پھر بھی سنگریزوں سے کوئی نہ کوئی موتی ضرور نکل ہی آتا ہے۔ لوگو!

تمہیں دکاندار تو بہت ملیں گے
لیکن تربیت کرنے والا کوئی نہیں ملے گا۔

ایک وہ وقت تھا کہ جب ٹوبہ ٹیک سنگھ میں صرف دو ساتھی ذکر کیا کرتے تھے اور اب یہ حال ہے کہ پچھلے دنوں جب حضرت جی یہاں تشریف لائے تو سینکڑوں لوگ آپ کے حلقہ بگوش ہوئے۔ ایک لمحہ کیلئے اگر کوئی آدمی یہ سوچنے لگے کہ کوئی ایسا حلقۂ ذکر یا کوئی شیخ کامل اس دنیا میں موجود ہے؟ جو گھر گھر جا کر لوگوں کی تربیت کرتا ہو اپنے پاس سے خرچ کرے، اس کے شاگرد دُور دراز کے سفر کر کے جہاں ان کی ضرورت ہو پہنچتے ہیں۔ سوائے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے دنیا میں اور کہیں نظر نہیں آئے گا۔ کسی کا کیا اچھا قول ہے:

قلوب العارفین لها عیون
تریٰ ما لا یراہ الناظرونا
والسنة بسر قد تناجی
لغیب عن الکرام الکاتبینا
واجنحة تطیر لغیر ریش
فتاوی عند رب العالمینا
وترعیٰ فی ریاض القدس طورا
وتشرب من بحار العارفینا
عباداً قاصدوا ابالسر حتیٰ
دنو منه وصاروا صابرینا

ترجمہ:۔ عارفین کے قلب میں ایسی آنکھیں ہیں جو ایسی چیزیں

مشاہدہ کرتی ہیں۔ جنہیں آنکھوں والے نہیں دیکھ سکتے۔ اور ان کی زبان ایسے راز بیان کرتی ہے جو کراماً کاتبین سے بھی پوشیدہ ہیں۔ ان کے بازو بغیر پیروں کے اڑتے ہیں۔ اور رب العالمین کے پاس بسیرا لیتے ہیں۔ کبھی باغِ قدس میں چگتے ہیں اور دریائے معرفت کا پانی پیتے ہیں۔ اور وہ ایسے بندے ہیں جو پوشیدہ چلتے ہیں۔ یہاں تک کہ محبوب کے قریب ہو گئے۔ اور صابر ہو گئے۔

اللہ عزوجل مجھے اور تمام ساتھیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس سلسلہ سے وابستہ رکھے اور فائدہ اٹھانے کی توفیق نصیب فرمائے۔

آمین!

سٹاپ پریس

حضرت العلام شیخنا و مرشدنا وہادینا، مولانا الہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ ۱۸ ر فروری ۱۹۸۴ء تقریباً ۳۰-۶ بجے شام اپنے ایک جاں نثار جناب فضل کریم بٹ صاحب کے خانہ پر اسلام آباد میں ۲۳ یوم کی علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ راجِعُون۔ آپ کو دوسرے دن شام اپنے آبائی گاؤں چکڑالہ ضلع میانوالی میں آپ کی خواہش کے مطابق اپنی آخری آرام گاہ میں پہنچا دیا گیا۔ نمازِ جنازہ آپ کے روحانی جانشین مولانا ملک محمد اکرم مناروی نے پڑھائی، آپ کے متوسلین کا ایک جمِ غفیر اپنے عزیز از جان روحانی باپ کو رخصت کرنے کے لیے موجود تھا، جسے دیکھ کر گویا مدفنِ مبارک سے یوں آواز آ رہی تھی ع

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ پودے میں نے پالے ہیں

زکوٰۃ کی اہمیت اور فرضیت

(ابو سعید)

اسلامی شریعت میں فرض اس عمل کو کہتے ہیں جو دلیلِ قطعی سے ثابت ہو۔ یعنی اس کام کے کرنے کا اللہ اور رسولؐ نے واضح الفاظ میں حکم دیا ہو۔ اس اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو اللہ تعالےٰ کی آخری کتاب یعنی قرآن مجید میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ستر سے زیادہ مقامات پر ملتا ہے۔ اور حدیث کے ذخیرہ میں بے شمار احادیث موجود ہیں۔ اس لئے زکوٰۃ کی فرضیت میں کسی ادنیٰ شک و شبہ کا احتمال بھی نہیں پایا جا سکتا۔

جہاں تک کتاب و سنت کے احکام کی عملی تعبیر کا تعلق ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے دوران ہر حکم پر عمل کرنے کا طریقہ خود سکھایا اور ایسا معاشرہ تیار کیا جس نے احکامِ شریعت کی مستند عملی صورت اختیار کر کے امت کیلئے کوئی کام اور کسی کام کی عملی تعبیر کا کام ادھورا نہیں چھوڑا۔ اس لئے شریعت میں تعامل امت کو اس کا صحیح مقام دیا گیا ہے۔

(زکوٰۃ کی اہمیت)

زکوٰۃ کی اہمیت سمجھنے کیلئے تین مختلف پہلو زیر بحث آتے ہیں۔

اول :- شخصی سیرت کی تعمیر۔

دوم :- بندے کا اپنے رب سے تعلق۔

سوم :- مسلم فرد کا معاشرے اور سوسائٹی سے تعلق۔

جہاں تک پہلی شق کا تعلق ہے انسان کو شرفِ انسانیت سے محروم کرنے اور سیرت و کردار کے اعتبار سے پستی کی طرف لے جانے والی چیز، حرص، بخل اور مال کی اندھی محبت ہے۔ زکوٰۃ ان رذائل کا قلع قمع کرتی ہے اور یہ صرف اس کا سلبی پہلو ہے اس کا ایجابی پہلو یہ ہے کہ زکوٰۃ کی پابندی مسلمان کی سیرت میں ایثار، قربانی اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرتی، ابھارتی اور نشو و نما دیتی ہے۔ مال کی محبت انسان کو جنون تک پہنچا دیتی ہے پھر وہ حلال و حرام، جائز و ناجائز، مفید اور مضر میں تمیز کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ اور بات یہاں تک پہنچتی ہے کہ چمڑی جائے دمڑی نہ جائے۔

زکوٰۃ کی اہمیت کے سلسلے میں دوسری شق بندے اور رب کا تعلق ہے۔ فرض کی ادائیگی اور شوق محبت اور خلوص سے ادائیگی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندے کا اپنے رب سے تعلق قائم ہی نہیں رہتا بلکہ بڑھتا ہے۔

اور یہاں تک بڑھتا ہے کہ یہ تعلق محبت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور وہی مطلوب و مقصود مومن ہے۔ ارشادِ باری ہے۔ والذین اٰمنوا اشد حبا للّٰہ۔ اس اہمیت کے پیشِ نظر شریعت نے ایک اصول سکھایا ہے کہ فرض کو ترک کر دینا گناہ اور نافرمانی ہے اور فرض کا انکار کرنا دائرۂ اسلام سے خارج ہو جانے کے مترادف ہے۔ زکوٰۃ کے سلسلے میں اس اصول پر عملدرآمد کرنے کی کیفیت یہ ہے نبی کریمؐ نے کسی صاحب نصاب مسلمان کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا اور حضورؐ کے پہلے جانشین نے (مخالفین زکوٰۃ کے خلاف بالکل اسی طرح جہاد کیا جیسے کافروں کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے)۔ کیونکہ زکوٰۃ کا منکر دراصل اپنے رب سے قطع تعلق اور بائیکاٹ کا اعلان کرتا ہے ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں اس کا اسلام کے ساتھ کونسا تعلق رہ جاتا ہے؟

زکوٰۃ کی اہمیت کا تیسرا پہلو اجتماعی اور معاشرتی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ زکوٰۃ کا اصول بتاتے ہوئے حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ تؤخذ من اغنیائھم وترد الیٰ فقرائھم یعنی زکوٰۃ مسلمان اغنیاء سے لی جاتی ہے اور مسلمان فقراء کو لوٹائی جاتی ہے اس مختصر سے جملے میں دو باتیں پائی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ زکوٰۃ صرف مسلمان صاحب نصاب لوگوں سے لی جائے دوسری یہ مسلمان فقراء کو لوٹائی جائے۔ غیر مسلم سے نہ زکوٰۃ لی جائے اور نہ غیر مسلم کو زکوٰۃ دی جائے۔ لفظ ترد یعنی لوٹائے جاتے میں زکوٰۃ کی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔ یعنی زکوٰۃ دراصل مسلمان فقراء ہی کا مال تھا۔ جو کسی وجہ سے ان تک نہ پہنچ سکا بلکہ اغنیاء کے پاس آگیا۔ اس لئے اغنیاء کا فرض ہے کہ صاحب مال کو اس کا مال لوٹا دیں۔ یعنی زکوٰۃ دینے والا یہ نہ سمجھے کہ وہ کسی پر احسان کر رہا ہے بلکہ اسے یہ احساس ہو کہ میرا بوجھ ہلکا ہوا۔ میں دوسروں کے حقوق اپنے قبضے میں رکھ کر زیر بار ہو رہا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے بوجھ ہلکا کرنے کا موقع ملا۔

زکوٰۃ کے نظام کی خاصیت یہ ہے کہ سمٹاؤ نہیں رہتا، بلکہ اس میں پھیلاؤ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں غریبوں کی تعداد گھٹتی جاتی ہے اور دولتمندوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اس کے برعکس سودی نظام کی خاصیت یہ ہے کہ دولت کا پھیلاؤ رک جاتا ہے اور سمٹاؤ بڑھتا ہے اور نتیجتاً دولت مندوں کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔ اور غریبوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

زکوٰۃ کی برکات کا وہ نقشہ تاریخ نے محفوظ رکھا ہے جب صحیح اسلامی اصول و شرائط کے تحت زکوٰۃ کا نظام رائج تھا۔ زکوٰۃ لینے والا کوئی ڈھونڈھے نہیں ملتا تھا۔ اسلام کے معاشی نظام کی اس خوبی کی مثال دنیا کے کسی معاشی نظام میں نہیں ملتی۔ خواہ وہ جمہوری نظام ہو، سوشلزم ہو، کمیونزم ہو یا ڈکٹیٹر شپ ہو۔ خدا جانے یہ تاریخی حقیقت مسلمان کے ذہن میں کیوں نہیں اترتی کہ وہ معاشی نظام کے لئے دوسروں کے دست نگر ہونے میں عار محسوس نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالےٰ نے مال عطا فرمایا اس پر زکوٰۃ فرض ہوگئی اگر اس نے اس مال پر زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت

کے دن ایسے شخص کو اسی مال کے ساتھ عذاب دیا جائے گا اور وہ مال اس کی گردن میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔

انسان کی مرغوب اور پسندیدہ چیزوں میں ایک اہم چیز مال و دولت ہے۔ اور ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ دولتمند اور مالدار ہو۔ مگر مال کا نشہ ایسا ظالم نشہ ہے کہ انسان اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ مال جمع کرنے کی چیز نہیں بلکہ خرچ کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ دوسری ٹھوکر یہ لگتی ہے کہ خرچ کرنے پر آجائے تو مال کا مصرف اور محل متعین کئے بغیر یونہی اللے تللے میں اڑانے لگتا ہے۔ اور عاقبت نااندیشی کی وجہ سے اس عظیم نعمت کی ناقدری کرنے لگتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو ان دو خطروں سے آگاہ فرماتے ہوئے حقیقت کی نشاندہی فرمائی کہ مسلمان کو سب سے پہلے یہ یقین کر لینا چاہیئے اگر اسے مال مل گیا ہے تو یہ اس کا اپنا نہیں بلکہ اللہ تعالٰی کی عطا ہے۔ اگر انسان اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے کہ مال تو وہ اپنی محنت، قابلیت اور کوشش سے کماتا ہے۔ اس لئے یہ مال اس کا اپنا کیوں نہ ہو تو اس ٹھوکر سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی سوچے کہ اسے جسمانی اور ذہنی صلاحتیں کس نے عطا کی ہیں جن کے استعمال سے وہ اس قابل ہوا کہ مال کمائے ظاہر کہ یہ سب قوتیں اللہ تعالٰی کی عطا ہے۔ لہٰذا ان قوتوں کو بروئے کار لا کر جو مال حاصل کیا اسے اللہ کی عطا کیوں نہ سمجھا جائے۔

پھر یہ غلط فہمی دور فرمائی کہ مال جمع کرنے کی چیز ہے۔ اس کا طریقہ اور سلیقہ یہ بتایا کہ یہ مال جس کی عطا ہے اسی کی ہدایات کے مطابق اسے خرچ کیا جائے۔ خرچ کی ایسی مختلف مدات میں سے ایک اہم مد کا ذکر فرما دیا جسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اس مد میں خرچ کرنا مسلمان پر فرض ہے۔

فرض کا عنوان کوئی شاعری نہیں بلکہ اس عنوان کے اختیار کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان خبردار رہے کہ فرض کا ادا نہ کرنا اللہ کی صریح نافرمانی ہے اور اس فرض کا انکار کرنا کفر ہے۔ یعنی زکوٰۃ کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ قرآن نے تو زکوٰۃ نہ دینے والے کو مشرک قرار دیا ہے اور زکوٰۃ کا انکار کرنے والے کو آخرت کا منکر فرمایا بلکہ اسلوب بیان یہ ہے کہ آخرت کے منکر تو در اصل ہیں ہی وہ لوگ جو زکوٰۃ کے منکر ہیں۔ اور آخرت کا انکار صریح کفر ہے۔

ارشاد ربانی ہے وویل للمشرکین الذین لا یؤتون الزکوٰۃ وھم بالآخرۃ ھم کافرون۔

ان دونوں خطرات سے آگاہ کرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی حیلے بہانے سے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے آخرت کے عذاب کی اطلاع دی ہے اللہ و رسولؐ کا بالعموم اسلوب بیان یہ ہوتا ہے کہ نافرمانی کی صورت میں عذاب آخرت اور اطاعت کی صورت میں انعام آخرت کی بشارت سنائی جاتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اطاعت یا بغاوت کا انسان کی دنیوی زندگی پر اچھا یا برا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کا تعلق صرف آخرت سے ہے

بلکہ اس میں حکمت ہے کہ دنیوی زندگی میں یہ اثرات مشاہدے میں آتے رہتے ہیں اس لئے انسان خود دیکھ لیتا ہے مگر اخروی زندگی آنکھوں سے اوجھل ہے اور مقصد کی حیثیت رکھتی ہے اور دائمی ہے اس لئے عذاب و ثواب کو آخرت کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔

دنیوی زندگی میں زکوٰۃ کے اثرات کی پوری سمجھ اس وقت آتی ہے جب اسے سود کے ساتھ تقابل کر کے سوچا جائے یا بیان کیا جائے۔ سود میں دولت کا سمٹاؤ ہوتا ہے اور زکوٰۃ میں پھیلاؤ ہوتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ سود کی صورت یہ ہے کہ تمام چشموں اور چھوٹے چھوٹے ندی نالوں سے پانی کی ایک ایک بوند کھینچ کر ایک بڑے تالاب میں جمع کی جا رہی ہے اور اس تالاب کے باہر رطوبت کا نشان تک نہ چھوڑا جائے۔ اور زکوٰۃ یہ ہے کہ ایک بڑے تالاب سے چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعے ماحول کو سیراب کیا جا رہا ہے اور ہر طرف کھیتیاں لہلہا رہی ہیں اور سرسبزی اور شادابی کا منظر ہے۔ خود زکوٰۃ کا لفظ اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کیونکہ زکوٰۃ کے معنی ہیں نشوونما اور بڑھوتری کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ سود کی خاصیت یہ ہے کہ معاشرے میں دولتمندوں کی تعداد وقت کے ساتھ ساتھ گھٹتی جاتی ہے اور ناداروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اس کے برعکس زکوٰۃ کی خاصیت یہ ہے کہ ناداروں کی تعداد گھٹتی ہے اور مالداروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور یہ صرف فلسفہ نہیں بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اس کورج نے اس زمین پر ایک ایسا دور بھی دیکھا کہ زکوٰۃ کا صحیح نظام رائج ہے اور پورے معاشرے میں زکوٰۃ لینے والا یا زکوٰۃ کا مستحق کوئی ایک فرد ڈھونڈے نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے جانشین کے عہد میں تین مسلم قبائل نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے ان کے خلاف بالکل اسی طرح جہاد کیا، جیسے کفار کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے اور صدیق اکبرؓ کا یہ فیصلہ بالکل قرآنی فیصلہ تھا کہ زکوٰۃ کا منکر کافر ہے اور اس کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے۔

کسی مسلمان معاشرے میں زکوٰۃ کا صاف صاف انکار کرنا دل گردے کا کام ہے اس لئے انسان کی حیلہ جو طبیعت کئی حیلے تراش لیتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

ع عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے۔

مگر مسلمان کی اصل دولت تو عشقِ رسولؐ ہے۔ بہانہ سازیاں مسلمان کی شان کے شایان نہیں۔ اپنی ضروریات کو پورا کرنے بلکہ عیاشیوں کیلئے جسے مال سمجھا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کا نام آئے تو اسے مال کھنے پر آدمی آمادہ نہ ہو۔ تو وہ کس منہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ اور کل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا منہ دکھائے گا۔

ع

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں۔

سائنس اور مذہب کی حقیقت

(حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ)

سائنس کے آثار

ایک عرصہ سے دنیا میں خلائی فتوحات کا غلغلہ ہے، اور حالیہ تجربات نے یہ چیز ثابت کردی ہے کہ حضرت انسان واقعی بڑی چیز ہے، لیکن مذہب و سائنس کے دائرہ کار اور حدود سے لاعلمی طبعیاتی علوم میں ناپختگی اور مذہب سے دوری یا کم علمی کی وجہ سے بہت سے مسلمان احساسِ کمتری، مرعوبیت اور شکوک و شبہات کا شکار ہو چکے ہیں۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اصولی طور پر یہ عرض کر دیا جائے کہ سائنس اور مذہب کی حقیقت کیا ہے؟ ان کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ سائنس اور اسلام آپس میں نہ تو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جیسا کہ بعض حلقوں میں یہ تصور موجود ہے اور نہ ہی سائنس الحاد کے مترادف ہے جیسا کہ ایک دوسرا طبقہ اس کا قائل ہے۔ بلکہ بقول ایک محقق مستشرق عالم "سائنس اور اسلام میں وسیلہ اور مقصود کی نسبت ہے۔" جیسے بدن روح کے لئے وسیلۂ عمل ہے۔ ایسے ہی سائنس اصولی طور پر اسلامی کارناموں کے لئے ایک وسیلہ، ذریعہ اور ڈھانچہ ہے۔" اور اگر ہم

ذرا گہری نظر سے سائنس کے موضوع کو سمجھ لیں تو یہ دعویٰ خودبخود ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے اولاً سائنس کے موضوع پر گفتگو کی جاتی ہے۔ آج کے دورِ ترقی میں جب تمدنی ایجادات اور مادیات کے نئے نئے انکشافات کا چرچا ہوتا ہے تو لطور تکملہ سائنس کا ذکر بھی ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً وسائل خبر رسانی کے سلسلہ میں ٹیلیفون، ٹیلی گراف، ریڈیو لاسلکی، ٹیلی ویژن اور ایسے ہی دوسرے برقی آلات کا ذکر ہوتا ہے کہ یہ سائنس کے سنہری اصول ہیں۔

وسائلِ نقل و حرکت کے سلسلہ میں ریل، موٹر، اور ہوائی جہاز وغیرہ باد پا سواریوں کا تذکرہ ہوتا ہے تو ساتھ ہی کہا جاتا ہے کہ یہ سب سائنس کا طفیل ہے۔ یا مثلاً صنائع و حرف کے سلسلہ میں لوہے لکڑی کے خوشنما اور عجیب و غریب سامانِ تعمیر کے نئے نئے ڈیزائن اور نمونے۔ سیمنٹ اور اس کے ڈھلاؤ کی نئی نئی ترکیبیں اور انجینئری کے نئے سے نئے اختراعات جب سامنے آتے ہیں تو سائنس کا نظر فریب چہرہ بھی سامنے کر دیا جاتا ہے کہ یہ سب اسی کے خمِ ابرو کی کارگزاریاں ہیں۔ اسی طرح نباتاتی لائن

میں زراعتی ترقیات پھل پھول کے افزائش کے جدید طریقے اور نباتات کے نئے نئے آثار و خواص کے متعلق انکشافات کا جب نام لیا جاتا ہے تو وہیں سائنس کا نام بھی پورے احترام کے ساتھ زبانوں پر آجاتا ہے، اسی طرح حیوانی نفوس میں مختلف تاثیرات پہنچانے کے ترقی یافتہ وسائل آپریشنوں کے عجیب و غریب پھر تیلی صورتیں کیماوی طریق پر فنِ دوا سازی کی حیرت ناک ترقی، تحلیل و ترکیب کی محیر العقول تدبیریں۔ بجلی کے ذریعہ معالجات کی صورتیں جب زبانوں پر آتی ہیں تو ساتھ ہی انتہائی وقعت کے ساتھ سائنس کا نام بھی زبان پر ہوتا ہے کہ یہ سب اسی کے درخشاں آثار ہیں۔

طاقتوں کا منبع

اس تفصیل سے انسان کی ناقص عقل اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ سائنس کا موضوع عمل موالید ثلاثہ جمادات، نباتات اور حیوانات کے دائرے سے باہر نہیں ہے۔ پھر چونکہ ان موالید کی ترکیب عناصر اربعہ آگ، پانی، ہوا، مٹی سے ہوتی ہے۔ جو ایک مسلمہ چیز ہے۔ اور جس پر کسی استدلال کی ضرورت نہیں۔ اس لئے گویا سائنس کا موضوع بلحاظ حقیقت عناصر اربعہ ٹھہر جاتے ہیں جس کی خاصیات اور آثار کا عملاً سمجھنا اور پھر کیمیاوی طریق پر ان کی تحلیل و ترکیب کے تجربات سے عملاً نئی نئی اشیاء کو پردۂ ظہور پر لاتے رہنا سائنس کا مخصوص دائرۂ علم و عمل ہو جاتا ہے۔ پس سائنس کی تمام رنگ برنگ تعمیر درحقیقت انہیں چار ستونوں (عناصر اربعہ) پر کھڑی ہوئی ہے۔

اور اگر اس ساری تفصیل کا مختصر لفظوں میں خلاصہ کیا جائے تو سائنس کا موضوع " مادہ اور اس کے عوارضِ ذاتیہ " سے بحث کرنا ثابت ہوگا، اس لحاظ سے مادیات میں جس کا زیادہ انہماک ہوگا، وہی سب سے بڑا سائنسدان اور ماہرِ سائنس کہلائے گا (واللہ اعلم)

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ سائنس کا موضوع عناصر اربعہ ہیں تو دیکھنا یہ ہے کہ ان چاروں کے خواص و آثار اور ذاتی عوارض یکساں ہیں یا نہیں؟ ظاہر بات ہے کہ ان کے عوارض یکساں نہیں۔ بلکہ بہت حد تک متفاوت ہیں بلکہ ان کی جوہری طاقت بھی ایک درجہ کی نہیں بلکہ کوئی عنصر ان میں ضعیف، کوئی قوی، کوئی قوی تر ہے۔ اور یہ قوت و ضعف کا تفاوت اتفاقی نہیں بلکہ معیاری ہے اور وہ معیار یہ ہے کہ ان عناصر میں سے جس میں بھی لطافت بڑھتی گئی ہے۔ اسی قدر اس کی طاقت بھی بڑھتی گئی ہے اور طاقت کے ہی لحاظ غلبہ و تسلط اور شان و اقتدار قائم ہوتی چلی گئی۔

اس کا راز سوائے اس کے اور کیا ہے کہ لطافت ایک وصف کمال ہے جو کثافت کی ضد ہے اور ہر وجودی کمال کا مخزن حضرت واجب الوجود کی ذات ہے۔ اس لئے لطافتوں کا منبع بھی وہی ہے۔ اندازہ فرمائیں کہ اس کی طاقتوں کا تو یہ عالم ہے کہ آنکھوں سے اوجھل حواس و خیال کی حدود سے بالاتر اور ادراک وانکشاف کی حد بندیوں سے وراء الوراء ہے اور اس کے ساتھ طاقتوں کا یہ عالم ہے کہ تمام جہانوں پر صرف اور صرف اپنی شہنشاہی کا

نظام محکم کئے ہوئے ہے۔ اس لئے جس چیز میں بھی لطافت کا کوئی شمہ ہے وہ درحقیقت اسی کی ذات وصفات کا کوئی پرتو ہے۔ جس کا اثر بقدرِ استعداد اس نے قبول کرلیا ہے۔

لطافت کی طاقت

اس بنا پر جس چیز میں جتنی لطافت ہوگی اتنی ہی اس میں غلبہ واقتدار کی شان ہوگی۔ اس تفصیل کے بعد عناصر اربعہ کی ذاتی عوارض کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں مٹی سب سے زیادہ کثیف ہے نہ صرف کثیف بلکہ کثافت آور بھی ہے۔ دنیا کی ہر چیز میں کثافت اور غلاظت آتی ہے تو اس مٹی سے اس کثافت کو ملاحظ فرمانا ہو تو تجربہ کے طور پر ایک ڈھیلا اوپر پھینکیں۔ آپ کی قوت جب تک کام کرے گی وہ اوپر جائے گا۔ پھر کل شیئ یرجع الیٰ اصلہٖ کا نظارہ ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ خدا نے زمین کو ذلیل ہی نہیں بلکہ ذلول (ذلت کا مبالغہ) فرمایا ھوالذی جعل لکم الارض ذلولا فامشو فی مناکبھا،

البتہ زمین کا ایک جزو پہاڑ بھی ہیں، جن میں نسبتًا کچھ لطافت اور ستھرائی ہے۔ اور پھر پتھر کی مختلف قسمیں لطافت وستھرائی کی بنا پر عزیز الوجود ہیں منوں مٹی پتھر پر گرے تو کچھ نہ بگڑے اور ایک پتھر منوں مٹی پر گرے تو جو حشر ہوگا وہ ظاہر ہے، پتھروں کے مقابلہ میں لوہے کو لیں۔ ایک بالشت بھر لوہے کی کدال کے سامنے بڑی بڑی چٹانوں کی کیا حیثیت ہے، وہی جو بے دست وپا قیدی کی ہوتی ہے۔ اس کا سبب بھی وہی لطافت وستھرائی ہے۔ جو لوہے نے بمقابلہ پتھر زیادہ قبول کرلی ہے، اس کے بعد دوسرے عنصر یعنی آگ کا نمبر آتا ہے

یہاں طاقتور لوہے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بڑے بڑے پہاڑوں کے لئے وبالِ جان ثابت ہوتے ہیں۔ وہ ٹکڑے آگ کے سامنے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ ذرا سی دیر لوہے کو بھٹی میں رکھو نتیجہ سامنے آجائے گا۔ اس کا راز بھی وہی طبعی اور عقلی اصول ہے کہ آگ میں لوہے سے بھی زیادہ لطافت ہے، اور کثرت لطافت کثرت طاقت کے مترادف ہے۔ اس کے بعد عنصر آب ہے۔ جس کے سامنے لوہے کو پگھلا دینے والی آگ کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایک طرف آگ کے ترفع وتعلی اور رعب ودبدبہ کو دیکھیں۔ پھر جب قطرات آب اس پر ڈال کر اس کا تماشہ کریں نتیجہ سامنے آجائے گا۔ چند لمحے پہلے جو کروفر تھا وہ راکھ کا ڈھیر بن چکا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

اس لئے کہ پانی آگ کے مقابلہ میں زیادہ لطیف ہے اور لطافت جہاں جس قدر ہوگی طاقت بھی اسی اعتبار سے موجود ہوگی۔ اس کے بعد عنصر ہوا ہے جس کی طاقت و قوت کا یہ عالم ہے

کہ جب ہوا کے جھکڑ چلتے ہیں، تو بڑے بڑے سمندر زیروبالا ہوجاتے ہیں اور اثر کا یہ عالم ہے کہ خوق وتخت کا کوئی گوشہ اور کوئی منفذ ایسا نہیں، جہاں یہ جوہر لطیف نہ ہو آخر ایسا کیوں ہے؟

اس کا راز بھی اس کی لطافت اور اس کے بقدر طاقت ہے۔

انسان کی کارکردگی

اب اگر ان عناصر اربعہ اور ان کے تینوں موالید جمادات، نباتات، حیوانات کی بے انتہا شاخوں کو ایک طرف رکھ کر صرف حضرت انسان کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ

عناصر اربعہ اس کے دست بستہ غلام ہیں۔ انسان ان پر غالب و متصرف ہے۔ یہ سب عناصر اپنی کارگزاری میں اس کے محتاج ہیں۔ اگر حضرت انسان کی کارکردگی الگ کر دی جائے تو اربعہ عناصر اپنی پوری قوت و طاقت کے باوجود کوئی کام سرانجام نہیں دے سکتے۔ لوہا خود بخود پتھروں کو چھیل نہیں سکتا، آگ خود لوہے کو پگھلاتی اور گرماتی نہیں، پانی خود آگ کو بجھاتا نہیں۔ بلکہ انسان ہی ہے جو کدالیں بناتا، پتھر توڑتا ہے وہی بھٹیاں بنا کر لوہے کو تپاتا ہے۔ وہی منکیرے اور ظروف میں پانی لاتا ہے اور چولہے ٹھنڈا کرتا ہے۔

وہی ہوا کو قید کرتا اور سیالات کو اڑاتا ہے اور انسان نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ انسان ہی کی طاقتوں کا یہ عالم ہے کہ اس نے زمین کے قلب و جگر کو چیرا، کنوئیں بنائے، تہ خانے تیار کئے، ارضی معدنیات سرمہ، ہڑتال، سونا چاندی اور پیتل وغیرہ کے خزانے اس سے چھین لئے۔

پہاڑوں کو تراش کر بلند و بالا مکانات بنائے:

وتنحتون من الجبال بیوتًا (القرآن)

ان میں سڑکیں نکالیں اور دفائنِ زمین کا راز فاش کر کے زمین کے خزانہ کو عالم آشکارا کر دیا۔ الغرض زمین اور اس کے ہر ذرہ سے چاکروں کی سی خدمت لے رہا ہے۔

پانی کو حضرت انسان نے کس طرح رسوا کیا ہے جگہ جگہ کنوئیں بنائے، واٹر ورکس کا انتظام کیا اور جہاں چاہا پانی لے گیا۔ ابوالمیاہ سمندر اعظم جس کی کوہ پیکر موجوں کا لگاتار سلسلہ خشکی کے کناروں پر اس طرح حملہ آور محسوس ہوتا ہے کہ گویا ابھی کرۂ زمین کو نگل جائے گا اس کا یہ حشر ہے کہ حضرت انسان کے پاؤں کے نیچے روندا جا رہا ہے۔ اس کے جہاز آبدوزیں چل رہی ہیں، سمندر کے خزانے اگلوائے اس کی چیزوں کو بازاروں میں رسوا کیا۔ حتیٰ کہ سمندر کے نمکین پانی کو تحلیل کر ڈالا۔ اس سے آگے بڑھ کر ذلیل خدمات لی جا رہی ہیں۔ نجاستوں کا دھونا، میلے کپڑے پاک کرنا، ظروف کا صاف کرنا وغیرہ ذالک اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انسان نے پانی جیسے عنصر لطیف کو کس طرح اپنا قیدی بنا رکھا ہے۔

آگ جیسے خونخوار عنصر کو دیکھو انسان نے اس کو کس طرح اپنا مطیع کیا ہے۔ لوہے پتھروں سے اسے نکالا، وہ آفتاب میں چھپی تو آتشی شیشوں کے ذریعہ اسے گرفتار کیا۔ خود اسے چھپانا چاہا تو ذرا سی دیا سلائی کے سرے پر اسے مصالحہ میں بند کر دیا۔ جب چاہا اسے رگڑا اور آگ نکال لی۔ جو آگ اپنے ترفع و تعلی کی بنا پر سر نیچا ہی نہ کرتی تھی وہ آج کس طرح انسان کی غلام و محکوم ہے۔

ہوا کی لطافت کا یہ عالم تھا کہ انسان کی لطیف ترین نگاہیں اسے پھاند سکتی تھیں۔ لیکن آخر انسان نے اڑتے پرندہ کو کھلونا بنا لیا۔ اس میں اپنے جہاز اڑائے، خبر رسانی کی خدمت پر مجبور کیا گویا وہ ایک چٹھی رساں ہے۔ جو مشرق سے مغرب تک انسان کی بلا اجرت چاکری کر رہی ہے۔ انسان اسے برقی پنکھوں میں پہنچا رہا ہے کہیں موٹر کے پہیوں اور سائیکل کے ٹائروں میں بند کر رکھا ہے۔ غرض یہ نادیدنی طاقت جس نے سمندر کو تہہ و بالا کر رکھا تھا۔ انسان کے سامنے مجبور و بے بس ہے۔

پھر اسی پر بس نہیں کہ عناصر اربعہ سے علیحدہ علیحدہ خدمت لے کر انسان کی طبیعت قناعت کرے بلکہ انہیں آپس میں لڑا لڑا کر ایجادات کر رہا ہے۔ آگ پانی کے درمیان لوہے کا پردہ حائل کر کے آگ کو دھونکا دیا آگ جوش میں پانی کو اڑانا چاہتی ہے پانی کھول کر آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے لیکن انسان اس کے جوش وخروش سے اسٹیم کی طاقت پیدا کر کے انجن مشین چلا رہا ہے۔ پھر پانی کو پانی سے ٹکرا کر برق پیدا کر لی۔ وہ بجلی جو آنِ واحد میں اقلیموں کی خبر سنی اسے تانبے اور جست کے پتلے سے تار میں اس طرح باندھ رکھا ہے کہ با ایں زور وطاقت باہر نہیں جا سکتی۔ ذرا سا سوئچ ہے اسے دبا دو تو موجود ۔ اٹھا دو تو غائب۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ آسمان کی جہاں سوز بجلی کو بے بس کر دیا یا بڑی بڑی بلڈنگوں پر چیٹے تار چڑھا دئے۔ ادھر یہ بجلی گری ادھر ان میں غلطاں وپیچاں ہو کر رہ گئی۔

پٹرول جیسی سیال چیز میں آگ لگا دی آگ اور تیل لڑ رہے ہیں۔ جب سے گیس پیدا ہو رہا ہے اور حضرت انسان کا جہاز اڑ رہا ہے۔ موٹر دوڑ رہی ہے۔

الغرض اک مشتِ استخواں نے ساری کائنات کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس غلط وتسلط کا سبب کیا ہے؟ جسمانی طاقت سے تو ناممکن ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کا راز کچھ اور ہی ہو۔

مشاہدات کی رُو سے یہ ماننا پڑے گا کہ انسان میں ان عناصر سے کہیں زیادہ طاقت ہے۔ جب ہی سے تو اسی نے جہانِ رنگ وبو کو تہہ وبالا کر رکھا ہے اور جیسا ثابت ہو گیا کہ عناصر اربعہ سے اس میں طاقت کہیں زیادہ ہے۔ تو ماننا پڑ گیا کہ اس میں طاقت بھی زیادہ ہے کیونکہ پہلے ثابت ہو چکا کہ لطافت ہی طاقت کا سرچشمہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ لطافت کیا ہے تو سیدھا اور آسان جواب ہے کہ رُوحِ انسانی!

رُوحِ انسانی

اور روحِ انسانی کی لطافت کا یہ عالم ہے کہ باوجود انسان کے رگ وپے میں سمائے ہونے کے کبھی اس کا دھکا تک انسان کو نہیں لگا بلکہ کبھی لمس ومس تک کا احساس نہیں ہوا۔ جب کہ ہوا جیسی لطیف چیز میں بھی دھکا اور لمس ومس سے بچنا محال ہے۔ روح متقل ہے تو اتنی کہ اس کے بغیر انسانی تصور نہیں اور منفصل ایسی کہ حاسہ کی اس تک رسائی نہ ہو خود اس پر کوئی سرد وگرم نہ پہنچ سکے اس لئے وہ فقط اپنے بدن پر ہی نہیں بلکہ عناصر اربعہ پر غالب آجائے تو ظاہر ہے کہ انسان میں ایسی چیز فقط روح ہی ہے۔ کیونکہ انسان بدن وروح کے مجموعہ کا نام ہے۔ بدن مادیات کا مرکب ہے وہ تو یہ کام کر نہیں سکتا۔ لہٰذا روح ہی باقی رہی اور یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ انسانی غلبہ وتسلط کا راز روح ہی میں ہے۔ روح کی لطافت وحسن نورانیت کا یہ عالم ہے کہ آج تک انسانی عقل اس کا ادراک نہیں کر سکی اس کا فوٹو نہیں لیا جا سکا۔ اسے ہوا کی طرح کنٹرول کرنے کا کوئی ذریعہ نہ بن سکا۔ اور ایک روح ہے کہ سب کچھ اس کے کنٹرول میں ہے جہاں بھر کا فوٹو وہ لے لے، سینری وہ بنا لے اور سب پر غلبہ وتسلط حاصل کر لے۔

سوال یہ ہے کہ روح ہے کیا؟ پیغمبر علیہ السلام سے سوال ہُوا۔ آپ نے من جانب اللہ جواب دیا الروح من امر ربی اور اس امرِ ربی کو اب کائنات سے عجیب مماثلت ہے۔ مثلاً حق تعالےٰ غیر مرئی طریق پر تمام عالم کا قیوم و مدبر ہے۔ تو اسی طرح روح کائناتِ بدن کی قیوم و مربی ہے۔ پھر جس طرح انوارِ باری تعالےٰ کائنات کے ذرہ ذرہ میں آشکارا ہیں اور ہر ہر خطہ و جز میں اس کی مناسبت سے کام لے رہے ہیں، اور اس ظہورِ تام کے باوجود آج تک کسی نے انہیں دیکھا نہیں، اسی طرح انوار روحِ کائنات بدن کے ہر عضو میں اس طرح پھیلے ہوئے ہیں کہ ہر عضو سے مناسب کام لے رہے ہیں۔ اور اس ظہورِ تام کے باوجود آج تک کسی نے انہیں نہیں دیکھا۔ اسی طرح روح کے انوار کام ہر عضو میں کر رہے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ ؎

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ سے جلوہ آشکار!
اس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

قوت کا سرچشمہ

جس طرح ذاتِ حق عالم سے متصل اتنی ہے کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید اور ھو معکم این ماکنتم اس کی شان ہے اور پھر منفصل اتنی کہ وراء الوراء ثم وراء الوراء مخلوق ظلمتِ محض اور وہ نورِ مطلق ٹھیک۔ اس طرح روح بھی بدن سے منفصل تو اتنی ہے کہ زندہ بدن کی کسی رگ کا کروڑواں حصہ بھی اس سے الگ نہیں ورنہ زندہ نہ رہے لیکن دُور بھی اتنی ہے کہ اس

کی پاکیزگیاں بدن سے کوئی لگاؤ ہی نہیں رکھتیں کیونکہ لطیف و کثیف میں کیا تناسب اور کیا رشتہ؟

؎

کجا یہ مشتِ خاک اور کجا وہ جوہرِ پاک؟
چراغِ مردہ کجا نورِ آفتاب کجا؟

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انسانی قوت و طاقت کا سرچشمہ روح ہے اور اسے ذاتِ حق سے مناسبتیں ہی نہیں مماثلتیں بھی ہیں اور یوں بھی روح امرِ ربی ہے۔ کہ امر و تو اس کو جتنا صحیح استعمال کیا جائے گا اتنے ہی بہت فوائد رونما ہوں گے۔ جتنی غلط روی کا طریق اپنایا جائے گا۔ اتنی ہی بربادیاں ہوں گی۔ تو پہلے ایک مشرقی محقق کا قول لکھا تھا، کہ سائنس میں مقصود وسیلہ کی نسبت ہے۔ کتنا درست قول ہے۔ اللہ تعالےٰ جو سراپا لطافت ہی نہیں بلکہ منبعِ لطافت ہے۔ کما قال ان اللہ لطیف (لقمان ۲۱) اور دوسری طرف روح بھی امرِ ربی ہونے کے سبب لطیف ہے اور لطافت ہی قوت کا سرچشمہ ہے اور بغیر قوت سائنسی ایجادات ناممکن ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح لطافتوں کا منبع حق تعالےٰ کی ذات ہے۔ اسی طرح منبع طاقت بھی وہی ہے اور جب منبعِ طاقت وہ ہے تو سائنسی ایجادات کا سرچشمہ اور مرکز و محور بھی اسی کی ذات ہے۔ اپنی پاک دامنی، نیک نفسی، اور قوت و تقویٰ و نیکی کی بنا پر جس کی روحانیت جتنی بلند ہوگی، اتنی ہی اس میں اکتشافات و ایجادات کی طاقت ہوگی جب یہ مقدمات ثابت ہوگئے تو یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ منبع لطافت و طاقت کی طرف سے بھیجا ہُوا آخری اور مکمل

دین ایجاد و اکتشافات سے کس طرح روک سکتا ہے۔ اور ترقی کی راہ میں کس طرح آڑے آسکتا ہے۔ وہ دنیا والوں کو ترقی کی راہیں بتلاتا ہے۔ اس پر ابھارتا ہے۔ کما قال فاستبقوا الخیرات اور فی ذلک فلیتنافس المتنافسون لیکن مادیات محضہ میں انہماک اور غلو اور روحانی ترقی سے پہلوتہی انتہائی کورچشمی اور بدبختی ہوگی جب یہ مسلمہ امر ہے کہ اسلام مقصود ہے اور سائنس وسیلہ تو مقصود کیلئے اس کے تناسب سے اور وسیلہ کیلئے اس کے تناسب سے کوشش کرنا دانشمندی ہے۔ بدقسمتی سے آج مقصود کو کوئی پوچھتا نہیں اور وسیلہ کے لئے جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں (یہ ہم آئندہ عرض کریں گے کہ وسیلہ کے لئے جائز و ناجائز کوششوں سے دنیا کو کیا فائدہ پہنچا۔ اور تعمیر و ترقیِ عالم میں ان کوششوں کا حصّہ کیا ہے) پھر بدقسمتی سے مسلمانوں کے یہاں سوائے سائنس کا لٹریچر پڑھنے کے کوئی عملی کارفرمائی ہے ہی نہیں گویا۔

ع نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

خلاصہ بیان

بہر حال اس اصولی بحث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوئی کہ :۔

۱۔ سائنس کا موضوع عناصرِ اربعہ یا بالفاظِ دیگر "مادہ اور اس کے عوارضِ ذاتیہ ہیں"۔

۲۔ عناصرِ اربعہ میں سے جس میں جس قدر لطافت ہے اسی قدر اس میں طاقت ہے اور وہی لطافت اسکی قوت کا سرچشمہ۔

۳۔ حضرت انسان موالیدِ ثلاثہ کی بے انتہا شاخوں میں ایک ایسا ہے جس نے اپنی بے انتہا قوتوں سے عناصرِ اربعہ کو فرداً فرداً نہیں بلکہ باہمی ٹکرا کر ایجادات و اکتشافات کا لامتناہی سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ اور اس طرح اپنے غلبہ و تسلط کا ثبوت بہم پہنچا رہا ہے۔

۴۔ حضرت انسان کا یہ کمال اس کی جسمانی قوت کا مرہونِ منت نہیں بلکہ روح کا مرہونِ منت ہے۔

۵۔ روح کو حضرت حق سے کئی ایک مماثلتیں ہیں کہ روح امرِ ربّی ہے۔

۶۔ قوت و طاقت کا سرچشمہ حضرت حق کی ذات ہے۔ کیونکہ وہی منبعِ لطافت ہے اور طاقت دراصل لطافت کے سبب ہے۔

۷۔ اس اعتبار سے منبعِ لطافت کے امر یعنی روح سے جس کا جس قدر حصہ ہوگا۔ اس کی قوت، ایجادات و اکتشافات اسی قدر بلند و بالا ہوگی۔

۸۔ لیکن اسلام اور سائنس کو مقصود و وسیلہ کی نسبت ثابت ہوگی۔

اس لئے ایک سچے مسلمان کی ہمت و فکر کا اصل میدان اسلام ہوگا اور وسیلہ کا میدان اسی تناسب سے اختیار کیا جائے گا۔ جب اسلام و سائنس میں مقصود و وسیلہ کی نسبت ثابت ہوگئی تو :۔

(الف) ایک مفکر کا یہ قول غلط فہمی پر مبنی ہوگا کہ سائنس اور مذہب حقیقت تک پہنچنے کے دو راستے ہیں،

(ب) سائنس کو الحاد کے مترادف قرار دینے والا گروہ سراسر غلطی کا شکار سمجھا جائے گا۔

(ج) اور نہ ہی سائنس و مذہب ایک دوسرے کی ضد ہوں گے بلکہ ان میں معقول نسبت ہے اور اپنے اپنے مقام پر اس

سلسلہ میں قوت وفکر کی پرواز درست اور صحیح ہوگی اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہوگا، کہ " ارتقاء پسند انسانی عقل اور ربانی ہدایات کا سنگم اسلام ہے"۔

آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کر دینا مناسب ہے۔ جس میں سائنس و مذہب کی اصلیت وحقیقت اور باہمی فرق مراتب کو نہایت احسن پیرایہ میں بیان فرمایا گیا، یہ ارشادِ رسولؐ بھی اس چیز کی غمازی کرتا ہے کہ سائنس و مذہب ایک دوسرے کی ضد نہیں، بلکہ جن چیزوں پر آج طبع آزمائی ہو رہی ہے ان کو اپنے اصلی مقام پر رکھ کر ایک نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے واضح کر دیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار نبی رحمتؐ نے فرمایا کہ جب اللہ میاں نے زمین کو پیدا کیا تو وہ کانپنے اور ڈولنے لگی تب اللہ نے پہاڑوں کو پیدا کیا اور ان سے زمین پر جم جانے کیلئے فرمایا۔ ملائکہ نے پہاڑوں کی شدت وصلابت پر تعجب کیا اور کہنے لگے کہ اے پروردگار تیری مخلوق میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں لوہا ہے۔ اس پر پھر ملائکہ نے عرض کیا کہ اے پروردگار! تیری مخلوق میں لوہے سے بڑھ کر بھی کوئی سخت چیز ہے؟ فرمایا ہاں آگ ہے۔ پھر عرض کیا اور آگ سے سخت؟ ارشاد فرمایا۔ پانی: عرض کیا اور پانی سے سخت کوئی چیز ہے؟ فرمایا۔ ہاں ہوا۔ پھر ملائکہ نے پوچھا اور ہوا سے بڑھ کر بھی سخت چیز کوئی ہے؟ تو فرمایا ہاں اولادِ آدم۔ جو دائیں ہاتھ سے اس طرح چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ (ترمذی)

اندازہ لگائیں کہ سائنس کے موضوع یعنی مادیات کو کس طرح ترتیب سے بیان فرما کر اور پھر انسان کی طاقت و قوت کو واضح فرمایا۔ لیکن اس طاقت کا سبب کوئی مادی چیز نہیں۔ بلکہ وہی روحانی عظمت و برتری ہے۔ جس کو پہلے ہم تفصیل سے عرض کر چکے ہیں۔

قرآن مجید کے صوری و معنوی محاسن

(ڈاکٹر سید ابوبکر غزنویؒ)

جب ہم کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو باتیں دو ہی ہیں جن کا ہم جائزہ لیتے ہیں :-

۱- صوری محاسن یعنی اسلوب کیسا ہے ؟ ترکیبیں اور بندشیں کیسی ہیں ؟ مفہوم کی ادائیگی کے لئے الفاظ کا چناؤ کیسا ہے ؟ صنائع اور بدائع کی پختگی اور رعنائی کا کیا حال ہے ؟

۲- دوسری بات ہم یہ جانچتے ہیں کہ ان مطالب اور معانی کا وزن کیا ہے - جن کے لئے صورت (FORM) کے یہ سانچے تیار کئے گئے ہیں -

پہلے ہم قرآن مجید کے صوری محاسن کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کی بلاغت پر جو کتابیں ہمارے اسلاف نے لکھیں - وہ ایک گراں بہا سرمایہ ہیں - خطابی، رمانی، باقلانی، عبدالقاہر جرجانی اور بعض دوسرے علماء نے قرآن مجید کی بلاغت پر جو کام کیا قابلِ تحسین ہے - لیکن ہر دور کا ایک اندازِ فکر ہوتا ہے - زبان اور ادب کی بحثیں ہر زمانے میں مختلف ہوتی ہیں - مجھے جو کچھ کہنا ہے اسی دور اور اسی ماحول میں تعلیم و تربیت پانے والے زبان و ادب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کہنا ہے -

حشو و زوائد سے پاک ہے :- تنقید کی کتابوں میں ہم نے پڑھا تھا کہ ہر لفظ جو ہم لکھیں یا بولیں اس کی کوئی مقصدیت اور افادیت ہونی چاہیئے - اور ایک ہی مفہوم کی ادائیگی کیلئے مترادف لفظوں کی بے سبب بھرمار کرنا تخیل کی رفتار سست ہونے کی علامت ہے - قرآن مجید کا مطالعہ اس انداز سے کیا تو حیرت ہوئی کہ وہ محاسن جو اہلِ علم بڑی مغز پاشی کے بعد آج مرتب کر رہے ہیں ، وہ تمام محاسن قرآن مجید میں بطریقِ احسن موجود ہیں - قرآن مجید کو بسم اللہ سے والناس تک دیکھا اس میں کوئی نالتو لفظ نظر نہیں آیا - وہ حشو و زوائد سے یکسر پاک نکلا - قرآن مجید نے جہاں کہیں ایک سے زائد لفظ استعمال کئے ، ہر لفظ مختلف مفہوم کی ادائیگی کے لئے استعمال کیا - مثلاً فرمایا :-

تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا -

(حٰم السجدہ : ۳۰)

(فرشتے ان پر اترتے ہیں - اور یہ القا کرتے ہیں کہ تم خوف نہ کھاؤ اور غم نہ کرو)

یہاں جو الا تخافوا کے بعد ولا تحزنوا کہا تو اس لئے کہ

دونوں لفظوں کا مفہوم مختلف ہے۔ خوف اور چیز ہے اور حزن اور چیز ہے۔ خوف یہ ہے کہ مستقبل میں کسی آفت کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہو اور غم یہ ہے کہ بالفعل دل کی تمنا ہاتھ سے نکل جائے۔ پھر لفظ غم خوشی کے متقابل بولتے ہیں اور خوف اطمینان کی ضد ہے۔ کسی عزیز کے فوت ہونے پر جو کیفیت ہوتی ہے، اسے غم کہتے ہیں، خوف کوئی نہیں کہتا۔ اگر کسی کا بچہ منڈیر پر چڑھا ہوا ہو اور اس کے گر جانے کا خدشہ ہو تو اسے عربی میں خوف سے تعبیر کریں گے اور اسے غم کہنا بالکل غلط ہوگا۔ خوف اور غم میں حدِ فاصل یوں بھی کھینچی ہے کہ عین مصیبت کے وقت جو حالت ہوتی ہے اسے غم کہتے ہیں۔ اور خوف اس وقت ہوتا ہے جب مصیبت کی آمد آمد ہو۔ پس قرآن مجید میں جہاں کہیں دو یا دو سے زائد لفظ اظہارِ مطلب کے لئے آتے ہیں، ہر لفظ کی معنویت اور افادیت جُدا ہے۔

جی میں وسوسہ آیا کہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم میں الرحمان اور الرحیم دو لفظوں کی ضرورت کیا تھی؟ محض الرحمان یا الرحیم کہنے سے کیا بات مکمل نہیں ہو جاتی؟ لغت کی مستند کتابیں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ رحمان اور رحیم کا مفہوم جُدا ہے رحمان فعلان کا وزن ہے اور یہ وزن امتلا کے لئے آتا ہے۔ اور رحیم فعیل کا وزن ہے اور یہ وزن ظہور کے لئے آتا ہے۔ پس رحمان کے معنی یہ ہوئے کہ وہ رحمت کا منبع ہے۔ وہ رحمت کا سرچشمہ ہے اور رحیم کے معنی یہ ہوئے کہ اس کی رحمت کا ظہور اس کائنات میں دم بدم اور پیہم ہو رہا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کہیں کہ فلاں شخص کے پاس دولت بہت ہے اور وہ خرچ بھی بے دریغ کرتا ہے۔ رحمان اور رحیم میں سے کوئی لفظ بھی حذف ہوتا، تو بات ادھوری رہتی۔

کلام کا حشو و زوائد سے پاک ہونا جسے تنقید کی بولی میں ECONOMY OF WORDS کہتے ہیں۔ قرآن مجید سے سیکھئے۔

الفاظ کا صوتی تاثر (SOUND EFFECT)

۱۔ قرآن مجید میں ایسے الفاظ لائے گئے ہیں کہ ان کا صوتی تاثر ان کا مفہوم سمجھا دینے والا ہوتا ہے۔ یعنی محض ان کے بولنے سے ان کے معانی کی صوتی تصویر کھنچ جاتی ہے۔ چند مثالوں سے بات واضح کرتا ہوں۔

۱۔ قرآن مجید میں ہے:

یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَہَنَّمَ دَعًّا

(جس دن وہ دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے)

دھکا دینے کیلئے عربی میں اور الفاظ بھی ہیں۔ یوں بھی کہا جاسکتا تھا: یوم یدفعون الی نار جہنم دفعاً۔ مگر اس سے دھکا دینے کا صوتی تاثر پیدا نہیں ہوتا ہے۔ یدعون الی نار جہنم دعا پڑھتے ہوئے تو دھکا دینے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ جسے دھکا دیا جاتا ہے اس کے گلے سے جو آواز نکلتی ہے دَعًّا میں تو اس کا بھی صوتی تاثر آگیا ہے۔

۲۔ یہ آیت ملاحظہ کیجئے:

کَلَّآ اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ دَکًّا دَکًّا۔ (الفجر ۲۱)

آپ عربی جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں، یہ آیت سنتے ہی بھونچال کی سی کیفیت تو ہر شخص محسوس کرتا ہے۔ اس آیت کو پڑھتے ہوئے دیواروں کے باہم ٹکرانے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

۳:۔ یاایہا الذین امنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللّٰہ اثاقلتم الی الارض (التوبہ ۳۸)

(اے ایمان والو! تمھیں کیا ہوگیا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کوچ کرو، تم زمین پر ڈھیر ہوئے جاتے ہو)

اس آیت میں اثاقلتم، سنتے ہی محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بوجھل انسان زمین پر گر گیا ہو۔ اور اس سے اٹھا نہ جاتا ہو۔ یہاں تثاقلتم نہیں کہا کہ اس سے صوتی تاثر برباد ہوتا تھا۔

۴۔ عتل بعد ذالك زنیم (ن: ۱۳)

(وہ اکھڑ ہے۔ اس کے علاوہ بد اصل بھی ہے)

عتل کا لفظ اکھڑپن کی تصویر کھینچ رہا ہے۔

کبھی ایک حرف کی تکرار سے قرآن مجید میں صوتی تاثر پیدا کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الناس دیکھئے۔ اس کی THEME وسوسہ اندازی ہے۔ حرف سین کی تکرار سے پوری سورت میں وسوسہ اندازی کی ایک فضا پیدا کر دی گئی ہے۔

سورت پڑھتے ہوئے اوّل سے آخر تک یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی سرگوشیاں کر رہا ہے اور یہ بات حرف سین کی تکرار سے پیدا ہوئی ہے۔

قرآن مجید کا آہنگ

قرآن مجید کی صوری رعنائیوں میں سے ایک ابھری ہوئی رعنائی قرآن مجید کا اسلوب ہے۔ اور اس کے اسلوب کے سبب سے ابھری ہوئی خصوصیت اس کا آہنگ ہے۔ اس کے اسلوب کی موسیقیت ہے۔ قرآن کا آہنگ کانوں میں رس گھولتا ہے۔ یہ آہنگ کن عناصر سے ترکیب پایا ہے یہ ایک تفصیل طلب بات ہے اور اس مختصر مقالے میں اس کی گنجائش نہیں۔

فرخندہ شبے باید و خوش مہتابے
تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

ایک بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انسان نے بحور و اوزان کے جتنے سانچے شعر کیلئے تراشے، قرآن کا اسلوب ان سب سے ہٹا ہوا ہے وہ کسی بحر میں نہیں ہے۔ نہ طویل، نہ بسیط نہ رجز نہ رمل۔ شاید آپ کے جی میں خیال آئے کہ نظم آزاد کا قالب بھی تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے اور نظم آزاد بھی شاعری ہی کی ایک صنف ہے۔ پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ قرآن شعر کی کتاب نہیں۔ جی میں یہ خیال نظم آزاد کی حقیقت سے ناواقفیت ہی کی بنا پر آسکتا ہے نظم آزاد گو ایک بحر میں نہیں ہوتی اور ہر مصرعہ جدا بحر میں ہو سکتا ہے۔ لیکن ہر ہر مصرعہ باوزن ہوتا ہے۔ ایسا تو نہیں ہوتا کہ نظم آزاد کا کوئی مصرعہ سرے سے وزن ہی سے خارج ہو۔ قرآن مجید میں چند آیتوں کے سوا بسم اللہ سے والناس تک تمام آیتیں انسان کے تراشے ہوئے اوزان سے ہٹ کر ہیں۔ پس نظم آزاد کا اطلاق بھی قرآن مجید پر نہیں ہوتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ قرآن مجید کی چند آیتیں باوزن ہیں مثلاً:-

ھیھات ھیھات لما توعدون (المومنون: ۳۶)

یا ـــ ودانیۃ علیھم ظلالھا وذللت قطوفھا تذلیلا۔ (الدھر: ۱۴)

لیکن چند آیتوں کے باوزن ہونے کی بنا پر قرآن مجید کو شعر کی کتاب نہیں کہا جا سکتا۔ کبھی نثر نگار کے قلم سے اور مقرر کی زبان سے بھی بعض فقرے باوزن نکل جاتے ہیں۔

جیسے اعجاز القرآن میں باقلانی نے مثال دی ہے کہ کبھی ایک عامی کی زبان سے بھی نکل جاتا ہے :۔

اسقنی الماء یا غلام سریعًا (او لڑکے! پانی جلدی سے پلاؤ) یہ قول باوزن ہے لیکن اس عامی کو شاعر کوئی نہیں کہتا۔

مجھے یاد ہے کہ یونیورسٹی کی ایک تقریب میں اختتام پر مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں نے کہا :۔

" یہ بندۂ فقیر سراپا سپاس ہے "

حاضرین مجلس میں ایک شاعر بھی تشریف فرما تھے۔ وہ جھٹ سے بول اٹھے کہ یہ تو مصرعہ ہو گیا۔ لیکن چونکہ ساری بات میں نے نثر میں کی تھی۔ اس ایک جملے کے باوزن ہونے کی بنا پر کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ میں نے شعروں میں گفتگو کی ہے۔ پس قرآن مجید کے تیس پاروں میں سے گنتی کی چند آیتوں کے باوزن ہو جانے کی بنا پر قرآن مجید کو شعر کی کتاب نہیں کہا جا سکتا۔ خود قرآن مجید میں بھی ہے :۔

وما علمنٰہ الشعر وما ینبغی لہٗ (یٰسین : ۶۹)

(ہم نے انہیں شاعری نہیں سکھائی اور ان کی شان کے وہ شایانِ شان بھی نہ تھی)

اگلا سوال ایک طالب علم کے ذہن میں یہ ابھرتا ہے کہ اگر قرآن مجید شعر کی کتاب نہیں ہے تو کیا وہ نثر کی کتاب ہے؟ نثر کا آہنگ تو ایسا نہیں ہوتا ہے۔ نثر میں یہ موسیقیت تو نہیں ہوتی ہے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے بجا کہا تھا :

"القرآن لیس بشعر ولیس بنثر بل القرآن قرآن۔"

قرآن مجید شعر کی کتاب نہیں ہے۔ قرآن مجید نثر کی کتاب نہیں ہے۔ اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ ہم کہیں قرآن قرآن ہے۔ اس کا اسلوب منفرد ہے۔ اس کا آہنگ انوکھا اور اچھوتا ہے۔ جیسے خدا اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے یکتا ہے۔ اس کا اسلوب بھی یکتا ہے۔ لا ندّ لہٗ ولا نظیر لہٗ ولا مثال لہٗ۔

قرآن مجید کے آہنگ پر جو کچھ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے الفوز الکبیر کے تیسرے باب میں لکھا ہے۔ ان کی ذہانت اور عبقریت کی ایک کھلی ہوئی دلیل ہے۔ سید احمد شر باصیؒ نے بھی قرآن کے آہنگ پر کچھ کام کیا، مگر سید قطب شہیدؒ نے اپنی کتاب "التصویر الفنی فی القرآن" میں جن لطافتوں اور باریکیوں کو اجاگر کیا وہ انہی کا حصّہ تھا۔

معنوی محاسن

مستقل اخلاقی قدروں کا پرچار :۔ قرآن مجید اخلاقی اور روحانی قدروں (ETHICAL AND SPIRITUAL VALUES) کا پرچار کرتا ہے۔ مستقل اخلاقی قدروں سے میری مراد وہ قدریں ہیں جو زمان و مکان (TIME AND SPACE) کے اختلاف سے بدلتی نہیں ہیں۔ وہ ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جو تمام اقوام و ملل کیلئے قابلِ عمل ہے۔ قرآن مجید ایسی قدروں کی تلقین کرتا ہے جو سعودی عرب ہی میں باقی اور زندہ رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہیں بلکہ افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں اور سوئٹزرلینڈ کی منجمد فضاؤں میں یکساں زندہ اور باقی رہنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور زمانے کی لمبان گو کتنی آگے کو بڑھ جائے وہ قدریں زندہ اور باقی رہتی ہیں۔

یہ مستقل اخلاقی قدریں جوہرِ دیں ہے۔ جیسے اس مادی دنیا کے کچھ قوانین ہیں جو زمان و مکان کے اختلاف سے بدلتے نہیں ہیں۔ بالکل اسی طرح ہماری روح کی بیماری اور تندرستی کے بھی کچھ قوانین ہیں جو زمان و مکان کے اختلاف سے بدلتے نہیں ہیں۔ جسم جب سے معرضِ وجود میں آیا ہے آگ جسم کو جلاتی ہے اور ہر زمانے میں اور ہر خطۂ زمین میں آگ جسم کو جلاتی رہی اور زہر ہمیشہ اور ہر جگہ اس کیلئے ہلاکت آفرین ہے جیسے اس جسم کیلئے کچھ اصولِ حفظانِ صحت ہیں جو زمان و مکان کے اختلاف سے بدلتے نہیں ہیں، بالکل اسی طرح ہماری ارواح کی صحت کے بھی کچھ اصول ہیں۔ اور جب سے یہ ارواح معرضِ وجود میں آئی ہیں اور جب تک اس جہانِ آب و گل میں ہیں ان کے اصولِ حفظان میں بھی کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔ کچھ باتیں ہیں جن کے کرنے سے ہماری روح کی صحت بگڑتی ہے اور کچھ باتیں ہیں جن کے کرنے سے ہماری روح کی صحت سنورتی ہے۔ ہم انہیں مستقل اخلاقی قدروں سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی وہ جوہرِ دیں ہے جس کا پرچار تمام انبیاءؑ کرتے رہے اور انہی اقدار کو قرآن مجید نے جامع مفصل اور آخری ارتقائی صورت میں پیش کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے انبیاء کی تعلیمات کی تردید نہیں کی۔ بلکہ ان کی تصدیق اور توضیح کی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

ترجمہ:۔ وہ اپنے سابقہ انبیاءؑ کی تصدیق کرنے والے تھے (البقرہ:۹۷)

اور کہا:۔

آپ کوئی انوکھے پیغمبر نہیں ہیں۔ (الاحقاف: ۹)

وہ مستقل اخلاقی اور روحانی اقدار جن کا پرچار قرآن مجید نے کیا، دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں۔

"حقوق اللہ"

اللہ کے حقوق یہ ہیں کہ اسکی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو۔ انسان اسکی محبت سے سرشار ہو۔ اسکی عبادت کا ذوق پیدا ہو۔ اس کے حضور میں بیٹھنے کا ڈھنگ آجائے اسکے ساتھ تعلق استوار ہو اور اسکی بندگی اور چاکری کا ذوق انسان کے رگ و ریشے میں رچ بس جائے۔

حقوق العباد

فیضانِ الٰہی سے سرشار ہو کر اسکی مخلوق کی خدمت بجالائے اور اسکے بندوں کے حقوق ادا کرے۔ انبیاءؑ اور اہل اللہ کی تاریخ گواہی دیتی ہے کہ ذکرِ الٰہی کی خاطر گوشہ نشینی و خلوت گزینی، مخلوقِ الٰہی کی خدمت کا ایک سچا اور شدید جذبہ انسان میں ابھارتی ہے اور مخلوقِ الٰہی کے لئے انسان کے اندر ایک مامتا کو جنم دیتی ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے کوہِ طور پر چالیس راتوں کی عبادت کے بعد بنو اسرائیل کو بھرپور فیضان بخشا۔ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام غارِ حرا سے نکلے تو بنی نوع انسان کو بے پناہ مادی اور روحانی فیضان بخشا اور ان کی پیاسی روحوں کو سیراب کیا۔ قرآن مجید نے اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے تمام قرینے انسان کو سکھائے۔

صفاتِ الٰہی:۔ قرآن مجید نے انسان کو اللہ کی تمام صفاتِ تنزیہہ اور ایجابیہ کی معرفت بخشی۔ قرآن مجید نے انسان کو صفاتِ الٰہی کا تمام صحفِ آسمانی سے زیادہ مفصل اور جامع تصور بخشا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ وہ:۔

الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر ہے۔

یعنی وہ پادشاہ ہے، وہ خداوندِ قدوس ہے، وہ سلامتی اور امن دینے والا ہے، وہ نگہبان ہے، وہ غالب اور دبدبے والا ہے اور کبریائی اسی کو زیبا ہے ـــــ اس نے ہمیں بتایا کہ وہ "الخالق الباریٔ المصور" ہے، وہ خالقِ کائنات، وہ موجدِ کائنات ہے، وہ صورت گرِ موجودات ہے۔ قرآن نے صفاتِ الٰہی کے تمام سلبی اور ایجابی پہلوؤں کو اجاگر کیا۔

ذاتِ الٰہی کا تصور :۔ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا جو تصور بخشا وہ بہت لطیف ہے۔ قرآن نے کہا :۔

لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار (الانعام)

(انسان کی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرتی ہیں۔ وہی ہے جو آنکھوں کا ادراک کرتا ہے)

ذہن اپنا مواد (DATA) حواس ہی کے ذریعے اکٹھا کرتا ہے۔ جب اسکی ذات حواس کے گرفت میں نہیں آتی ہے، تو ذہن اسے تصور میں کیونکر لا سکتا ہے۔ پھر "لیس کمثلہٖ شیئٌ" (اس جیسی کوئی چیز نہیں) کہہ کر تشبیہ کے سب دروازے بھی بند کردیئے اور "لاتضربوا للّٰہ الامثال" (النحل: ۷۴) کہہ کر جھگڑا بند کر دیا کہ یہ بھی مت کہو کہ وہ ایسا ہے، وہ اس جیسا ہے۔ اس جیسا تو کوئی نہیں۔ اگر قرآن صرف اتنی بات کہتا تو انسان محسوس کرتا کہ اس کے ذہن کے اٹکاؤ کیلئے کوئی سہارا باقی نہیں چھوڑا۔ مگر اس نے ساتھ ہی کہا: "انی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعانی" (البقرہ: ۱۸۶)

(میں تو تیرے قریب ہوں تو مایوس ہوتا ہے۔ میں تو ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں) اور کہا :۔ "ھو معکم این ما کنتم" (تم جہاں بھی جاتے ہو۔ میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوتا ہوں)

پھر زیادہ وضاحت سے کہا :۔

"نحن اقرب الیہ من حبل الورید" (ق: ۱۶)

(ہم تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہیں)

اس قدر ناقابلِ ادراک ہونے کے باوجود خدا کے انسان کے ساتھ اس معیّت و اقربیّت میں ایک عجیب حُسن نظر آتا ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت نے آتشِ شوق کو اور بھی بھڑکا دیا کہ :۔

" ان ربک لبالمرصاد " (الفجر: ۱۴)

(بلا شبہ تیرا پروردگار تو تجھے ہر دم جھانک لگائے تاک رہا ہے)

قرآن مجید نے بتایا کہ گو اس کی ذات انسانی ذہن کی گرفت میں نہیں آتی اور جو تصور بھی ذہن میں لائیں گے، وہ بت ہوگا۔ خدا نہ ہوگا۔

اتصالے بے کیف بے قیاس
ہست ربّ الناس را با جانِ ناس !

(انسان کے پروردگار کا ان کی روح سے ایسا تعلق اور رابطہ ہے جس کی کیفیت بیان اور قیاس سے باہر ہے)

مکمل ضابطۂ حیات :۔

قرآن مجید کی تعلیم و ہدایت زندگی کے ہر شعبے میں دلیلِ راہ ہے۔ اس نے سیاسی اعتبار سے یہ تلقین کی کہ **شاورھم فی الامر** اور **امرھم شوریٰ بینھم** یعنی باہم مشورے سے امورِ مملکت طے کرو۔ قرآن مجید نے اصولِ معاشیات بھی بیان کیئے۔ اسنے ارتکازِ دولت کو بدترین جرم قرار دیا۔

والذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم، یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بہا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون ۔ (التوبہ: ۳۴-۳۵)

(جو لوگ معاشرے کا خون چوستے ہیں اور سرمایہ سمیٹتے ہیں اور اللہ کی خاطر معاشرے پر اسے خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک سزا کی خبر دو۔ جس روز دوزخ کی آگ میں اسے گرم کیا جائے گا اور اسی دولت سے انکی پیشانیاں، انکے پہلو اور ان کی پیٹھ داغی جائے گی۔ یہی ہے وہ دولت جو تم اپنے لئے سمیٹ سمیٹ کر رکھتے تھے۔ پس دولت سمیٹنے کا مزہ چکھو۔)

وہ ہمیں خبردار کرتا ہے:۔

کیَ لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم (الحشر: ۷)

(ایسا نہ ہو کہ دولت صرف سرمایہ داروں ہی میں گردش کرتی رہے)

تہذیب و شائستگی

قرآن ہمیں تہذیب اور شائستگی بھی سکھاتا ہے۔

اس نے ہمیں سلام کرنے کا ڈھنگ بھی سکھایا۔

واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منھا او ردّوھا

(النساء: ۸۶)

(اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم زیادہ تپاک اور گرمجوشی سے سلام کا جواب دو اور اگر کسی عذر کی بنا پر ایسا نہ کر سکو تو کم از کم اتنا تو لوٹا دیا کرو۔)

اس نے ہمیں چلنے کا سلیقہ سکھایا:۔

لا تمش فی الارض مرحًا انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا ۔ (لقمان: ۱۸)

(زمین پر اکڑتے ہوئے مت چلو۔ بلاشبہ اس متکبرانہ چال سے تم نہ تو زمین میں شگاف ڈال سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کے برابر لانبے ہو سکتے ہو)

یعنی اس عظیم کائنات میں اپنی حقیقت کو پہچانو، پھر سوچو کہ کیا یہ چال تمہیں زیبا ہے؟

قرآن مجید نے گفتگو کا طریقہ بھی سکھایا:

واغضض من صوتك، ان انکر الاصوات لصوت الحمیر ۔ (لقمان: ۱۹)

یعنی بات کرتے ہوئے آواز کو دھیما رکھا کرو، گدھوں کی آواز یقیناً نہایت بھدی اور بھونڈی ہوتی ہے۔

جہاں زندگی کے اہم سے اہم امور میں رہنمائی فرمائی، زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی خیر کی راہ سجھائی۔ تلقین کی کہ دوسروں کے گھروں میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہوا کرو۔

یا ایھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتیٰ تستانسوا و تسلموا علیٰ اھلھا (النور: ۲۷)

(اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ اوروں کے گھروں میں اطلاع دیئے بغیر اور سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔)

محفل میں بیٹھنے کے آداب بھی اس لافانی کتاب نے سکھائے:

" انما النجویٰ من الشیطن لیحزن الذین آمنوا "

(المجادلہ: ۱۰)

(سرگوشی پر شیطان ہی اکساتا ہے: تاکہ وہ مسلمانوں کو رنجیدہ کرے۔)

اگر دو آدمی مجلس میں بیٹھ کر سرگوشیاں کریں تو دوسروں کے جی میں خیال آتا ہے کہ شاید ہماری ہی نسبت کچھ کہہ رہے ہیں۔ کم ازکم یہ گمان تو ہوتا ہی ہے کہ انہوں نے ہمیں اس قابل نہ سمجھا کہ اپنی راز داری کی گفتگو میں شریک کریں۔ چونکہ اہلِ مجلس کو اس سے خفّت ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے مجلس میں بیٹھ کر سرگوشیوں سے باز رہنے کی تلقین کی۔
مختصر یہ کہ لافانی کتاب آدابِ معاشرت کی لطافتوں اور اور باریکیوں سے بھی آگاہ کرنے والی ہے۔

جہاد و قتال کا سلیقہ

بزم ہو یا رزم، صلح ہو یا جنگ؛
یہ کتاب ہر حال میں مشعلِ راہ ہے۔

"یاایہا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوہم الادبار، ومن یولہم یومئذٍ دبرہٗ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃٍ فقد باء بغضب من اللہ ومأواہ جہنم وبئس المصیر" (الانفال: ۱۵، ۱۶)

(اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہاری ٹکر ہو، تو پیٹھ مت دکھاؤ اور جو شخص اس وقت کافروں کو پیٹھ دکھائے گا۔ بھاگنے کی نیت سے، اس پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت ہی بُری جگہ ہے۔)

قرآن مجید نے جنگ اور قتال کا ایک واضح مقصد بیان کیا

وقاتلوہم حتیٰ لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ

(الانفال: ۲۹)

(تم ان سے لڑتے رہو حتیٰ کہ فتنہ و فساد کی بیخ کنی ہو جائے اور اطاعت اللہ ہی کی ہونے لگے اور اس کا آئین نافذ ہو)

یہ کتاب واقعی تبیاناً لکل شیئٍ ہے۔ یہ تعزیرات کی کتاب بھی ہے۔ اس میں جرموں کی سزائیں بھی لکھی ہیں۔ اس میں چور کا ہاتھ کاٹنے اور زانی کو دُرّے لگانے کے احکامات بھی ہیں۔ اور اس میں قانونِ وراثت کی تفصیلات بھی ہیں۔ پھر اس میں تبلیغ کے آداب بھی لکھے ہیں۔

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ

(النحل: ۱۲۵)

(یعنی اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت اور سلیقے سے بلاؤ اور بھلے انداز میں نصیحت کرو۔)

جمالیات

یہ کتاب جو زندگی کے ہر ہر پہلو پر روشنی ڈالتی ہے زندگی کے جمالیاتی پہلو کو بھی اجاگر کرتی ہے۔ قرآن مجید کے نظریۂ حیات میں جمالیات کو ایک مقام حاصل ہے۔ وہ لباس کو ستر کے علاوہ زینت بھی قرار دیتا ہے۔

یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم وریشا۔ (الاعراف: ۲۶)

(اے اولادِ آدم!
ہم نے تمہارے لئے لباس فراہم کیا جو تمہارے پردے کی جگہوں کو چھپاتا ہے اور زینت کا سامان بھی ہے۔)

اسلام آباد
۲۴ جنوری ۱۹۸۴ء

وفاقی شرعی عدالت
۱۴۶ - مارگلہ روڈ ، ایف ۳/۶

اطلاعِ عام

حال ہی میں آرٹیکل ڈی ۲۰۳ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء میں ایک ترمیم کی رُو سے وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ از خود ان قوانین کی جو اس کے دائرہ اختیار کے اندر ہوں اس نظریہ سے جانچ پڑتال کر سکتی ہے کہ وہ کس حد تک قرآن کریم یا سنت رسولؐ کے احکام سے متعارض ہیں۔

عوام الناس کو بذریعہ نوٹس ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ عدالت ہذا نے قبل ازیں ۴۳۵ مرکزی قوانین اور ۲۲۱ صوبائی قوانین پر جنہیں قبل ازیں وقتاً فوقتاً اخبارات میں مشتہر کیا گیا تھا، فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ اب عدالت ہذا درج ذیل ۴۷ صوبائی قوانین جنہیں حکومت پنجاب نے جاری کیا تھا کہ قرآن و سنت سے متعارض ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ہر ایک مقابل کالم نمبر ۴ میں درج تاریخوں پر غور کرے گی۔

لہٰذا عوام سے استدعا ہے کہ وہ تاریخ متذکرہ کالم نمبر ۳ تک عدالت ہذا کو مطلع فرمائیں کہ ان کی رائے میں قوانین مذکورہ کی کونسی دفعہ اور کس حد تک قرآن و سنت سے متصادم اور متعارض ہیں۔ اس سلسلہ میں ہر ایک دفعہ کے متعلق اپنی رائے کے ساتھ قرآن کریم، احادیث اور فقہی آراء کے مکمل حوالے بھی دیں۔ جن صاحب کی عدالت میں حاضری کی ضرورت سمجھی جائے گی۔ ان کو بذریعہ نوٹس ان کے پتہ پر اطلاع دے دی جائے گی کہ وہ ایک خاص مقررہ تاریخ کو عدالت میں حاضر ہو کر اپنی رائے پیش کریں۔

نمبر شمار (۱)	قانون کا نام (۲)	آراء بھیجنے کی تاریخ (۳)	سماعت کی تاریخ (۴)
	پنجاب کوڈ، جلد : ۶		
۱	بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ایکٹ ۱۹۷۵ء	۸ - ۳ - ۱۹۸۴	۱۷ - ۳ - ۱۹۸۴
۲	اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور ایکٹ ۱۹۷۵ء	"	"
۳	پنجاب رہائشی سہولیات برائے دیہی غیر مالکان ایکٹ ۱۹۷۵ء	"	"

نمبر شمار (۱)	قانون کا نام (۲)	آرڈر بھیجنے کی تاریخ (۳)	سماعت کی تاریخ (۴)
۴	پنجاب کونسل آف آرٹس ایکٹ ۱۹۷۵ء	۸-۳-۱۹۸۴	۱۷-۳-۱۹۸۴
۵	لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی ایکٹ ۱۹۷۵ء	〃	〃
۶	پنجاب منرل ڈویلپمنٹ کارپوریشن ایکٹ ۱۹۷۵ء	〃	〃
۷	پنجاب وزراء کی تنخواہ، الاؤنسس و مراعات ایکٹ ۱۹۷۵ء	〃	〃
۸	اسپیکر صوبائی اسمبلی پنجاب (تنخواہ، الاؤنسز و مراعات) ایکٹ ۱۹۷۵ء	〃	〃
۹	ڈپٹی اسپیکر صوبائی اسمبلی پنجاب (〃 〃 〃 〃 〃)	〃	〃
۱۰	پنجاب ماپ تول پیمانے (بین الاقوامی طریق کار) نفاذ ایکٹ ۱۹۷۵	〃	〃
۱۱	پنجاب سیڈ کارپوریشن ایکٹ ۱۹۷۶ء	۱۰-۳-۱۹۸۴	۱۸-۳-۱۹۸۴
۱۲	پنجاب ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈز ایکٹ ۱۹۷۶ء	〃	〃
۱۳	چولستان ڈویلپمنٹ اتھارٹی ایکٹ مجریہ ۱۹۷۶ء	〃	〃
۱۴	پنجاب دارالاطفال حفاظت و نظم ایکٹ مجریہ ۱۹۷۶ء	〃	〃
۱۵	پنجاب شہری ڈویلپمنٹ ـــــ ایکٹ مجریہ ۱۹۷۶ء	〃	〃
۱۶	پنجاب کان کنی (منسوخی پٹہ) ایکٹ ۱۹۷۷ء	〃	〃
۱۷	پنجاب پبلک سروس کمشن اصلاحا امتحانات۔ ایکٹ ۱۹۷۷ء	〃	〃
۱۸	پنجاب پبلک سروس کمشن آرڈیننس ۱۹۷۸ء	〃	〃
۱۹	پنجاب قمار بازی روک تھام آرڈیننس ۱۹۷۸ء	〃	〃
۲۰	پنجاب قفل (افزونی قیمت) آرڈیننس ۱۹۷۸ء	〃	〃
۲۱	مری کہوٹہ پہاڑی علاقہ جات ڈویلپمنٹ اتھارٹی آرڈیننس ۱۹۷۸ء	۱۱-۳-۸۴	۱۹-۳-۸۴
۲۲	اجناس خوردنی اور کھاد (منسوخی ڈیلرشپ، مجازیت وغیرہ) آرڈیننس ۱۹۷۸ء	〃	〃
۲۳	پنجاب زرعی پیداوار مارکیٹ آرڈیننس ۱۹۷۸ء	〃	〃
۲۴	پنجاب وقف املاک آرڈیننس ۱۹۷۹ء	〃	〃
۲۵	پنجاب لائیوسٹاک ایسوسی ایشن اور لائیواسٹاک ایسوسی ایشنز یونین (رجسٹریشن اور کنٹرول) آرڈیننس ۱۹۷۹ء	〃	〃
۲۶	پنجاب لوکل گورنمنٹ آرڈیننس ۱۹۷۹ء	〃	〃

نمبر شمار (۱)	قانون کا نام (۲)	آراء بھیجنے کی تاریخ (۳)	سماعت کی تاریخ (۴)
۲۷	پنجاب اسٹیٹ ایجنٹس اور ڈیلرز موٹر کاری (کاروبار کے قوانین) آرڈیننس ۱۹۷۹ء	۱۱-۳-۸۴	۱۹-۳-۸۴
۲۸	پنجاب مضارعت (تجدید) آرڈیننس ۱۹۸۰ء	〃	〃
۲۹	پنجاب معاشی تحقیق انسٹی ٹیوٹ آرڈیننس ۱۹۸۰ء	〃	〃
۳۰	انجمن ہائے امداد باہمی (اصلاحات) آرڈیننس ۱۹۸۰ء	〃	〃
۳۱	انتظام آب رسانی برکشت و انجمن ہائے استعمال کنندگان آب آرڈیننس ۱۹۸۱ء	۱۲-۳-۸۴	۲۰-۳-۸۴
۳۲	پنجاب استعمال اراضی اتھارٹی آرڈیننس ۱۹۸۱ء	〃	〃
۳۳	قانون اصلاحات اراضی پنجاب (تبدیلی) آرڈیننس ۱۹۸۲ء	〃	〃
۳۴	پنجاب نگہداشت وانتظام دارالاطفال (تبدیلی) آرڈیننس ۱۹۸۳ء	〃	〃
۳۵	خصوصی معاوضہ (پنجاب تبدیلی) آرڈیننس ۱۹۸۳ء	〃	〃
۳۶	پنجاب لوکل گورنمنٹ (تبدیلی) آرڈیننس ۱۹۸۳ء	〃	〃
۳۷	یونیورسٹی قوانین (تبدیلی) آرڈیننس ۱۹۸۳ء	〃	〃
۳۸	پنجاب مالیہ اراضی (تبدیلی) آرڈیننس ۱۹۸۳ء	〃	〃
۳۹	زرعی یونیورسٹی فیصل آباد (تبدیلی) آرڈیننس ۱۹۸۳ء	〃	〃
۴۰	پنجاب لوکل گورنمنٹ (دوسری تبدیلی) آرڈیننس ۱۹۸۳ء	〃	〃
۴۱	پنجاب کونسل آف آرٹس (تبدیلی) آرڈیننس ۱۹۸۳ء	۱۳-۳-۸۴	۲۱-۳-۸۴
۴۲	پنجاب لوکل گورنمنٹ (تیسری تبدیلی) آرڈیننس ۱۹۸۳ء	〃	〃
۴۳	پنجاب اشیائے ضروری کنٹرول (تبدیلی) آرڈیننس ۱۹۸۳ء	〃	〃
۴۴	خصوصی معاوضہ (پنجاب تبدیلی) آرڈیننس ۱۹۸۳ء	〃	〃
۴۵	پنجاب استعمال اراضی اتھارٹی (تبدیلی) آرڈیننس ۱۹۸۳ء	〃	〃
۴۶	پنجاب اطفال آرڈیننس ۱۹۸۳ء	〃	〃
۴۷	پنجاب نوجوان مجرمان آرڈیننس ۱۹۸۳ء	〃	〃

دستخط/-

ایس۔ اے۔ نظامی۔ رجسٹرار

وفاقی شرعی عدالت۔ ٹیلی فون نمبر ۲۰۵۲۱

۳۳۴۸/۱۰/۸۴

پاکستان آرمی میں

ڈائریکٹ شارٹ سروس کمیشن

شعبۂ دینی تعلیمات آرمی ایجوکیشن کور

پاکستان آرمی کو ایسے باصلاحیت افراد کی ضرورت ہے جو بطور آفیسر دینی معلم کے فرائض سرانجام دے سکیں مطلوبہ قابلیت اور شرائط انتخاب حسبِ ذیل ہیں ۔

۱۔ تعلیمی قابلیت :۔ افواجِ پاکستان کے لئے حکومت پاکستان کے منظور شدہ دینی مدارس سے سندِ فراغت اور ایم اے اسلامیات ۔

نوٹ :۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے تخصیص کی سند ایم اے اسلامیات کے برابر تصوّر کی جائے گی ۔ ایسے امیدوار جنہوں نے ایم اے اسلامیات کا امتحان دیا ہو درخواست دے سکتے ہیں ۔

۲۔ عمر :۔ یکم مارچ ۱۹۸۴ء کو ۳۵ سال تک (پاکستان آرمی کے مولوی صاحبان یا ریلیجس ٹیچرز کیلئے عمر کی کوئی قید نہیں)

۳۔ کمیشن :۔ آرمی ایجوکیشن کور (شعبۂ دینی تعلیمات) میں بطور سیکنڈ لیفٹیننٹ ۔

اضافی قابلیت :۔ ایم فل اسلامیات، ایل ایل ایم شرعیہ، پی ۔ ایچ ڈی اسلامیات کے حامل حضرات کو کیپٹن کے عہدہ پر لیا جاسکتا ہے بشرطیکہ جی ۔ ایچ ۔ کیو سلیکشن بورڈ کے معیار پر پورے اتریں ۔

نااہل امیدوار :۔ (ا) جو اس سے قبل دوبار آئی ایس ایس / جی ایچ کیو سلیکشن بورڈ کے ذریعے مسلح افواج میں کسی قسم کے کمیشن کے لئے مسترد کر دیئے گئے ہیں ۔

(ب) میڈیکل بورڈ کے ذریعے آرمی / نیوی / ائیرفورس کے لئے نااہل قرار دیے گئے امیدوار درخواست دے سکتے ہیں، لیکن ایسے امیدواروں کو اپیل میڈیکل بورڈ کے ذریعے دوبارہ طبی معائنہ کروانا ہوگا ۔

P-I-D 3181/6

(ج) برخاست شدہ یا گورنمنٹ سروس سے نکال دیئے جانے والے افراد یا وہ جن کو سرکاری ملازمت دوبارہ اختیار کرنے سے کسی مجاز اتھارٹی نے روک دیا ہو۔

۴۔ ملازمت کی جگہ:۔ پاکستان میں پاکستان کے باہر کسی بھی جگہ۔

۵۔ پیشہ ورانہ تربیت:۔ کمیشن پانے کے بعد ضروری پیشہ ورانہ تربیت دی جائیگی۔

۶۔ طریق انتخاب:۔ (ا) کسی سرکاری ہسپتال میں طبی معائنہ۔

(ب) تحریری امتحان اور ٹسٹ آئی ایس ایس بی۔

(ج) انٹرویو/ حتمی انتخاب جنرل ہیڈ کوارٹرز۔

۷۔ درخواستیں مجوزہ فارم پر پی اے ۳ (بی) اے جی برانچ جنرل کوارٹرز راولپنڈی کے نام ۔/۵ روپے کے کراسڈ پوسٹل آرڈر بنام ڈی پی اے کے ۲۹ فروری ۱۹۸۴ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔ درخواستوں کے فارم ریکروٹنگ آفیسرز، سٹیشن ہیڈ کوارٹرز، سولجرز بورڈز اور ایمپلائمنٹ ایکسچینج سے ۔/۵ روپے کا کراسڈ پوسٹل آرڈر بنام ڈی پی اے دکھا کر حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

نوٹ:۔ وہ حضرات جو ایم اے اسلامیات کے ساتھ درس نظامی کی سند فراغت نہ رکھتے ہوں درخواست دینے کے اہل نہیں ہیں۔

P-I-D 3181/6

جمادی الثانی ۱۴۰۴ھ مارچ ۱۹۸۴ء

رجسٹرڈ ار نمبر ۱۹

فہرست مطبوعات ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دلائل السلوک (اردو)	۲۵/۰۰
صوفی ازم (انگلش)	۴۰/۰۰
حیاتِ برزخیہ	۲۵/۰۰
تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین	۲۵/۰۰
الدین الخالص	۲۵/۰۰
حیاتِ انبیاء	۱۰/۰۰
اطمینانِ قلب	۱۰/۰۰
تعمیرِ سیرت	۷/۵۰
لغزشیں	۷/۵۰
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	۷/۵۰
اسرار الحرمین	۵/۰۰
انوار التنزیل	۵/۰۰
کس لئے آئے تھے؟	۵/۰۰
معرف	۳/۰۰
خدایا ایں کرم بار دگر کن	۷/۵۰
دیارِ حبیب میں چند روز	۵/۰۰
دین و دانش	۵/۰۰
مغالطے	۵/۰۰
پاکیزہ معاشرہ	۷/۵۰
فضائل توبہ استغفار	۲۰/۰۰
المرشد فی شمارہ	۳/۰۰
حج کی دعائیں ۳ حصے	۵/۰۰
ذکر اللہ ([illegible])	۳/۰۰
بزم [illegible]	۱۵/۰۰
فوزِ عظیم	۱/۵۰
علم و عرفان مع تلاشِ رہ	۳/۰۰
سالانہ چندہ المرشد	۳۵/۰۰
کونوا عباد اللہ (زیر طبع)	
ایمان بالقرآن کلاں	۲۰/۰۰

ماہنامہ المرشد

زیرِ سرپرستی
حضرت العلام مولانا
اللہ یار خان صاحب مدظلہٗ
اصلاحِ احوال باطنی اصلاح

سالانہ چندہ
پینتیس ۳۵ روپے

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دار العرفان منارہ ضلع جہلم

سول الخیب • مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

کتبہ: سید مشاہد حسن رضوی

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہیں آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبدالباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255